بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

رجسٹرڈ ای: پی نمبر ۶۸۱

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ

بدر

ہفت روزہ

قادیان

ایڈیٹر:-

برکات احمد راجیکی

اسسٹنٹ ایڈیٹر:-

محمد حفیظ بقاپوری

شرح چندہ سالانہ چھ روپے

فی پرچہ:- ۲/۱ اڑھائی آنے

تواریخ اشاعت:- ۷-۱۴-۲۱-۲۸

جلد ۱ | ۷ / ماہ وفا ۱۳۳۱ھش - ۱۴ / ماہ شوال ۱۳۷۱ھ مطابق ۷ / جولائی ۱۹۵۲ء | نمبر ۱۷

آگے قدم بڑھائے جا!

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

ذکرِ خدا پہ زور دے ظلمتِ دل مٹائے جا
گوہرِ شب چراغ بن دُنیا میں جگمگائے جا

دوستوں دشمنوں میں فرق؟ دأبِ سلوک یہ نہیں
آپ بھی جامِ مے اُڑا غیر کو بھی پلائے جا

خالی اُمید ہے فضول سعئِ عمل بھی چاہیئے
ہاتھ بھی تو ہلائے جا آس کو بھی بڑھائے جا

جو لگے تیرے ہاتھ سے زخم نہیں علاج ہے
میرا نہ کچھ خیال کر زخم یونہی لگائے جا

مانیں نہ مانیں اس سے کیا بات تو ہو گی دو گھڑی
قصۂ دلِ طویل کر بات کو تو بڑھائے جا

کشورِ دل کو چھوڑ کر جائیں گے وہ بھلا کہاں؟
آئیں گے وہ یہاں ضرور تو انہیں بس بُلائے جا

منزلِ عشق ہے کٹھن راہ میں راہزن بھی ہیں
پیچھے نہ مڑ کے دیکھ تو آگے قدم بڑھائے جا

عشق کی سوزشیں بڑھا جنگ کے شعلوں کو دبا
پانی بھی سب طرف چھڑک آگ بھی تو لگائے جا

بھائی عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر دار المسیح قادیان سے شائع کیا۔

ایک سادھو سے دلچسپ مکالمہ

از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل قادیانی انچارج دارالمبشرین قادیان

گذشتہ دنوں ایک ہندو سادھو باہر سے قادیان میں آئے اور ریتی چھلہ میں بڑ کے درخت کے نیچے ڈیرہ لگایا۔ وہ کئی دن تک قادیان میں رہے آخری دنوں میں بارش وغیرہ کے لئے یگیہ اور ہون وغیرہ بھی کیا۔ خاکسار کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو ان کی ملاقات و زیارت کیلئے انکے پاس گیا۔ اور سادھو جی موصوف سے کئی ہندو سکھ احباب کے روبرو حسب ذیل گفتگو ہوئی جو قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ہے

خاکسار۔ بعد سلام دعا و آداب تسلیمات ، باباجی آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔

سادھو جی۔ سادھوؤں کی کوئی خاص جگہ نہیں جہاں جی چاہا بیٹھ رہے جہاں جی چاہا چلے گئے۔ ان کا کوئی خاص وطن نہیں ہوتا من کی بات ہے۔

خاکسار۔ باباجی آپ کا کیا شغل ہے

سادھو جی۔ پرمیشور کی بندگی کرتا ہوں۔

خاکسار۔ آپ پرمیشور کی بندگی کس طرح کرتے ہیں؟

سادھو جی۔ میں اس کا نام جپتا ہوں۔

خاکسار۔ آپ اس کا نام کس طرح جپتے ہیں؟

سادھو جی۔ اس کا نام لیتا رہتا ہوں دل میں اسے یاد کرتا رہتا ہوں اسکی طرف دھیان رکھتا ہوں۔

خاکسار۔ باباجی آپ کی عمر کتنی ہے۔

سادھو جی۔ میری عمر قریبا پچاس سال ہے۔

خاکسار۔ باباجی آپ کب سے پرمیشور کا نام جپ رہے ہیں اور اسے یاد کر رہے ہیں۔

سادھو جی۔ مجھے تیس پچیس برس سے دھن لگی ہوئی ہے اور کوئی شغل نہیں بس اسی میں لگا ہوا ہے

خاکسار۔ باباجی آپ کو اتنا لمبا عرصہ ہو گیا آپ پرمیشور کا نام جپ رہے ہیں اور ہر وقت اسے یاد کرتے رہتے ہیں کیا پرمیشور نے بھی کبھی آپ کو یاد کیا ہے اور اس کی آواز بھی کبھی آپکے کانوں میں پڑی کیا اس نے کبھی محبت سے آپکو بلایا اور کہا کہ اے میرے پیارے آ میں تیرے ساتھ باتیں کروں تجھے اپنا جلوہ دکھاؤں۔ تیری مشکلات دور کر دوں تجھے غیب کے اسرار سے آگاہ کروں۔

سادھو جی۔ پرمیشور من میں رچا ہوا ہے۔

خاکسار۔ باباجی یہ ٹھیک ہے پرمیشور ہر جگہ ہے اور پھر جو بھی اسے یاد کرتا ہے وہ اسکے دل میں بھی ہوتا ہے مگر میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا میں تو صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا پرمیشور نے کبھی کبھی آپ سے باتیں کی ہیں۔ آپ نے اس سے پرارتھنا کی ہو اور اس نے بھی آپ کو جواب دیا ہو کہ میں تیری پرارتھنا قبول کرتا ہوں اور اپنی پیاری پیاری میٹھی آواز سے آپکے دل کو لبھایا ہو اور آپکے کانوں نے اسکی شیریں آواز کو سنا ہو۔ جس سے آپکے دل کو سرور اور ٹھنڈک پہنچی ہو اور آپ سمجھا ہو کہ آپ اپنی عبادت کے مقصد کو پہنچ گئے اور آپ کو یقین ہو گیا ہو کہ پرمیشور کا آپکے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا ہے

سادھو جی خاکسار کے اس سوال پر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دے سکے مگر پاس بیٹھے ہوئے سکھ ہندو دوست بولنے لگے جس پر خاکسار نے انہیں یہ کہکر خاموش کر دیا کہ میرا سوال آپ حضرات سے نہیں صرف سادھو جی سے ہے۔ اس کا جواب دیجئے آپ خاموشی سے سنیں اس پر سب حاضرین خاموش ہو گئے۔ مگر ایک سکھ دوست جو سرکاری ملازم تھے کہنے لگے کہ اس بات کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ میرے تکرار سوال پر سادھو جی نے جواب دیا کہ اس نے تو مجھے کبھی جواب نہیں دیا۔ نہ میں نے اسکی کبھی آواز ہی سنی ہے۔

خاکسار۔ باباجی جب آپکو اتنا عرصہ ہو گیا کہ آپ پرمیشور کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں اور وہ دروازہ نہیں کھولتا اور آپکی آواز کا جواب نہیں دیتا۔ تو آپ کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ وہ اس دروازہ میں سے کسی کو جواب نہ دیتا ہو۔ اور اسکے ملنے اور پانے کا کوئی اور راستہ ہو۔ آپ کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ آپکا اسے بلانے کا طریق درست نہ ہو اور وہ کسی اور طریق پر بلانے سے بولتا ہو۔ اور کوئی اور دروازہ کھٹکھٹانے سے کھولتا ہو

ازاں بعد خاکسار نے حضرت مسیح موعود کے متعلق سابقہ مذاہب کی پیشگوئیاں اور آپکے دعوؤں کا اختصار کیساتھ انکے سامنے ذکر کیا جس پر وہاں بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے سکھ جو سیالکوٹ کے رہنے والے تھے باباجی کی طرف سے بولنے لگے اور ساتھ ہی فرمایا کہ خدا اور اس کا نور اتنا عالی ہے کہ اس کو کسی نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ پایا اور اسکی تصدیق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک شعر پڑھا جو انہوں نے کسی احمدی سے تبلیغ کے دوران میں سنا تھا جو یہ شعر ہے

> عدو جب بڑھ گیا شور و فغاں میں
> نہاں ہم ہو گئے یار نہاں میں

یہ پڑھ کر کہنے لگے بس خدا کا پانا یہی ہے اسکے ساتھ تعلق بھی اسیقدر رہتا ہے۔ چونکہ اس وقت سادھو جی کی بعض رسومات کی ادائیگی کا وقت آ گیا تھا بات اسی پر ختم ہو گئی لیکن خاکسار نے اس سکھ دوست کو ایک دوسری ملاقات میں بتایا کہ یہ درست ہے اسکے بندے ہر بات میں اسی پر توکل اور بھروسہ رکھتے ہیں

(باقی صفحہ ۱۲ کالم نمبر ۳ پر)

اخبار ہند و جالندھر و دہلی مورخہ ۲۸ جون ۱۹۵۲ء کی حضرت اورنگ زیب کے متعلق بیہودہ سرائی

یہ بات قارئین کرام پر متعدد بار واضح کی جا چکی ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور بدامنی کی ایک بڑی وجہ پرانے بادشاہوں اور سلاطین کے خلاف زہر چکانی اور ان کے مفروضہ یا حقیقی مظالم کے خلاف بے جا پراپیگنڈا ہے۔ اگر آج سے چار پانچ سو سال قبل کسی بادشاہ نے کوئی ظالمانہ فعل روا بھی رکھا ہے تو اس کا بار بار اظہار کر کے مختلف اقوام کے درمیان بگاڑ اور فساد کرانا کہاں کی عقلمندی ہے اور اس سے ملک قوم کی ترقی و بہبودی کے لئے کونسا قدم اٹھتا ہے۔

پھر یہ بات بھی افسوسناک ہے کہ بعض متعصب اخبارات و رسائل ان بادشاہوں اور سلاطین کو جو سینکڑوں سال پہلے وفات پا چکے ہیں اب پیٹ بھر کر گالیاں دے کر اور دشنام دہی کر کے اپنے کینوں اور بغضوں کا اظہار کر رہے ہیں۔ حالانکہ مُردوں کو گالیاں دینا بہادری اور شرافت کی علامت نہیں اور نہ ہی آزاد قوموں کا شیوہ ہے۔ جو شخص مر کر دوسرے جہان اور زندگی میں چلا جاتا ہے۔ اس کو گالیاں دینے اور برا بھلا کہنے سے اس کا تو کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں اپنے اخلاق ضرور خراب ہوتے ہیں۔

اخبار ہند و (جالندھر و دہلی) نے اپنے پرچہ مورخہ ۲۸ جون ۱۹۵۲ء میں ایک کہانی بعنوان "اورنگ زیب کی جان بخشی" لکھی ہے جس میں علاوہ اور قابل اعتراض باتوں کے اس عظیم المرتبت بادشاہ کے متعلق "ملیچھ" اور "بدیشی کتا" کے کمینے اور بیہودہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اور اپنی رذالت اور بیہودگی کا ثبوت دیا ہے۔

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آرین قوم جو تاریخی لحاظ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے باہر سے آئی تو ملکی اور نیشنل ہو سکتی ہے لیکن اس بادشاہ کو جو خود ہندوستان میں پیدا ہوا ساری عمر اس ملک میں رہا اور یہیں اسکی وفات ہوئی جس کا باپ ہندوستان میں پیدا ہوا اس ملک میں رہا اور یہیں عظیم الشان مقبرہ یعنی روضہ تاج محل میں دفن ہوا جس کی عمارت پر آج بھی ہندوستان کو فخر ہے ہاں جس بادشاہ کا دادا بھی ہندوستان کا قابل فخر سپوت تھا۔ اور آگے انکے باپ اور دادا بھی اسی ہندوستان کے قابل فخر فرزند تھے بدیشی اور غیر ملکی کہا جاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ رنج دہ یہ بات ہے کہ اس عظیم الشان شہنشاہ کے لئے "کتے" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہی وہ عظیم الشان شخصیت ہے جس کے متعلق گورو گوبند سنگھ نے باوجود بہت سے اختلافات کے اپنے ظفرنامہ میں "ثریا شکوہ" "روشن ضمیر" اور "لائق صفت" لکھا ہے اور اپنی اطاعت کا ان الفاظ میں اس سے اظہار کیا ہے۔ کہ

> شہنشاہ را بندہ چاکریم
> اگر حکم آید بجاں حاضریم

یعنی ہم آپکے چاکر بندے ہیں اگر حکم دیں تو ہم جان لیکر حاضر ہو جائیں۔

خود ہندو محققین نے بھی شہنشاہ اورنگ زیب کی اعلیٰ صفات اور خوبیوں کا متعدد بار ذکر کیا ہے مثال کے طور پر حصہ جینی جی بی۔ اے مشہور آریہ سماجی لکھتے ہیں۔

"وہ (اورنگ زیب) بڑا باانصاف تھا۔ عدالت کرتے ہوئے کسی کی رو رعایت نہ کرتا تھا۔۔۔۔ وہ امور سلطنت میں مذہبی تعصب سے بری تھا۔ غرضیکہ اسکی زندگی ایک حیرت انگیز نمونہ کی تھی۔ وہ ہر طرح سے ہی رعایا کی بہبودی و خوشحالی چاہتا تھا۔ اور رعایا کو امانت الٰہی سمجھا کرتا تھا۔" م م

ہم امید ہے کہ معاصر ہند و مندرجہ بالا حقائق کو مدنظر رکھیگا اور خواہ مخواہ پرانے بادشاہوں کے خلاف حدیدہ دہنی سے کام لے کر کروڑوں مسلمانوں اور محققین کے دل نہ دکھائے گا اور غیر مسلموں میں خواہ مخواہ ان عظیم الشان ہستیوں کے خلاف زہر پھیلا کر ملک کی فضا کو زیادہ مکدر نہ کرے گا۔

چھتیس سال قادیان میں بقیہ صفحہ نمبر ۹

کے ہاتھ میں تھی۔ اور کئی اور صاحب قلم احباب مستقل عنوانات پر مضامین لکھنے کیلئے مقرر تھے جنمیں قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل خاص امتیاز رکھتے تھے اور مضمون نویسی کے سلسلہ میں مجھے ان سے بہت مدد حاصل ہوتی تھی۔ جن کے انکے ہمت دلانے پر ایک مضمون بڑی محنت اور کوشش سے الفضل کیلئے لکھا جس میں انہوں نے خود بہت مدد دی۔ مضمون اس وقت مکمل ہوا جب سیدنا حضرت صاحبزادہ صاحب جناب قاضی صاحب کو اخبار کا انچارج مقرر فرما کر خود چند دن کے لئے شملہ تشریف لے گئے۔ مکرم قاضی صاحب نے میرا وہ مضمون کاتب کو لکھنے کیلئے دیدیا اور کاتب نے نصف کے قریب لکھ بھی لیا لیکن شیخ یعقوب علی صاحب نے کسی مصلحت کے ماتحت اسے حضرت صاحبزادہ صاحب کے تشریف لانے تک ملتوی کرا دیا۔ اسکے بعد وہ ہمیشہ کیلئے ہی ملتوی ہو گیا لیکن خدا تعالیٰ کی شان رحیمی اور کریمی ملاحظہ فرمایئے کہ ایک وقت تو میرا مضمون باوجود قاضی اکمل صاحب ایسے بارسوخ اور بااثر امداد کے الفضل میں شائع نہ ہو سکا۔ مگر دوسرا وقت جو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جلد ہی دکھا دیا۔ اتنا جلدی آیا کہ سابقہ مضمون ابھی معہ نامکمل لکھی ہوئی کاپی کے دفتر الفضل میں موجود تھا کہ مجھے الفضل کی خدمت کا شرف عطا کر دیا۔ اور اسکا ایڈیٹر بنا دیا۔ الحمدللہ علی ذالک۔ حالانکہ میرے وہم و گمان کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی ایک کافی عرصہ تک میں نے اس مضمون کو اسی شکل میں معہ نامکمل کاپی کے اپنے دفتر میں محفوظ رکھا تا کہ مجھے میری اصل حقیقت یاد دلاتا رہے لیکن پھر کسی وقت دفتر کے ادل بدل اور سامان

خطبہ جمعہ

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں

اور

بدقسمت ہیں وہ جن کے لئے خدا تعالیٰ خود اپنے فضلوں کے دروازے کھولتا ہے اور وہ منہ پھیر لیتے ہیں

از سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۳۰ رمئی ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ

مرتبہ۔ مولوی سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

یہ مہینہ رمضان کا ہے اور آج اس پر پانچواں دن گذر رہا ہے۔ چونکہ گذشتہ مہینہ تیس دن کا ہوا تھا۔ اس لئے اگر رویتہ ہلال میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ تو پھر یہ

رمضان کا مہینہ

۲۹ دن کا ہوگا۔ کیونکہ تیس تیس دن کے دو مہینے جمع نہیں ہوا کرتے۔ پس آج کے بعد رمضان کے ۲۴ دن رہ گئے ہیں۔ اور آج پہلا جمعہ رمضان کا ہے جمعہ اور رمضان کو آپس میں ایک مشابہت حاصل ہے اور وہ یہ کہ جمعہ بھی قبولیت دعا کا دن ہے۔ اور رمضان بھی قبولیت دعا کا مہینہ ہے۔ جمعہ کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص نماز کے لئے مسجد میں آجائے اور خاموش بیٹھ کر ذکر الہٰی میں لگا رہے۔ امام کا انتظار کرے اور بعد میں اطمینان کے ساتھ خطبہ سنے اور نماز باجماعت میں شامل ہو۔ تو اس کے لئے خاص طور پر

خدا تعالےٰ کی برکات

نازل ہوتی ہیں۔ اور پھر ایک گھڑی جمعہ کے دن ایسی بھی آتی ہے کہ جس میں انسان جو دعا بھی کرے قبول ہو جاتی ہے۔ قانون الہٰی کے ماتحت اس حدیث کی یہ تعبیر تو ضرور کرنی پڑے گی کہ وہی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جو سنت اللہ اور قانون الہٰی کے مطابق ہوں۔ لیکن جہاں یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ وہاں یہ آسان امر بھی نہیں۔ جمعہ کا وقت قریباً دوسری اذان سے یا اس سے کچھ دیر پہلے سے شروع ہو کر نماز کے بعد سلام پھیرنے تک ہوتا ہے اگر یہ دونوں وقت ملائے جائیں۔ اور خطبہ جمعہ چھوٹا بھی ہو۔ تو یہ وقت آدھا گھنٹہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر خطبہ لمبا ہو جائے۔ تو یہ وقت گھنٹہ ڈیڑھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس ایک گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے۔ کہ جب انسان کوئی دعا کرے۔ تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن اس نوے منٹ کے عرصہ میں انسان کو یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا پہلا منٹ

قبولیت دعا

کا ہے۔ دوسرا منٹ قبولیت دعا کا ہے یا تیسرا منٹ قبولیت دعا کا ہے۔ یہاں تک کہ ۹۰ منٹ کے آخر تک انسان کسی منٹ کے متعلق بھی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ وہ قبولیت دعا کا وقت ہے گویا وہ گھڑی جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ ۹۰ منٹ میں تلاش کرنی پڑے گی۔ اور وہی شخص قبولیت دعا کا موقع تلاش کرنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ جو برابر ۹۰ منٹ تک دعا کرتا رہے اور ۹۰ منٹ تک برابر دعایں لگے رہنا اور

توجہ کو قائم رکھنا

ہر ایک کا کام نہیں۔ بعض لوگ تو پانچ منٹ تک بھی اپنی توجہ قائم نہیں رکھ سکتے۔ مثلاً میں اس وقت نماز کے لئے آیا ہوں۔ انسان ادھر ادھر نظر مارتا ہی ہے۔ میں نے خطبہ سے پہلے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ سنتیں پڑھ رہے تھے اور یکدم ان کی آنکھ ادھر ادھر جا پڑتی تھی۔ سنتوں پر ڈیڑھ دو منٹ لگتے ہیں۔ مگر اس تھوڑے سے وقت میں بھی وہ کبھی دائیں دیکھتے تھے کبھی بائیں دیکھتے تھے۔ کبھی زمین کی طرف دیکھتے تھے کبھی آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ جب ڈیڑھ دو منٹ تک توجہ کو قائم رکھنا مشکل ہے۔ تو نوے منٹ تک دعا کرتے رہنا ذکر الہٰی میں لگے رہنا۔ اور توجہ کو ایک ہی طرف قائم رکھنا آسان امر نہیں ہو سکتا۔

پس بظاہر یہ آسان بات نظر آتی ہے چنانچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتنا

آسان گُر ہے

لیکن باوجود اس کے کہ یہ آسان گُر ہے دس ہزار تو کیا دس لاکھ میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہیں اس نقطہ میں دعا قبول کرانے کی کوشش کرتا ہو۔ اگر ہر ایک سے پوچھا جائے۔ کہ تم نے اپنی ۲۰۔۳۰ یا ۴۰ سال کی عمر میں کتنی دفعہ اس موقعہ پر دعا قبول کرانے کی کوشش کی ہے۔ تو غالباً ۹۹ فیصدی بلکہ $99\frac{3}{4}$ فیصدی ایسے لوگ نکلیں گے جو کہیں گے ہمیں تو کبھی اس کا خیال ہی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی کہہ دے میں نے دعا مانگی ہے۔ لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے اس گھڑی کو پکڑنے کی کوشش کی ہے۔

غرض اس

مبارک گھڑی

کو پکڑنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خطبہ کے شروع سے نماز کے ختم تک برابر دعا میں لگا رہے۔ کہنے کو تو ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ بڑا آسان گر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو گر کہا جاتا ہے۔ کروڑوں میں سے ایک شخص بھی اسے پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بہرحال یہ دن بھی ان دنوں میں سے ہے۔ جن میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ادھر رمضان کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ان ایام میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ جو لوگ راتوں کو اٹھتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ان کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور ان کی مشکلات کو دور کر دیتا ہے غرض

رمضان کے ایام

بھی ایسے ہیں جن میں دعائیں قبول ہوتی ہیں خصوصاً لیلۃ القدر میں دعاؤں کی قبولیت کا قرآن کریم میں وعدہ کیا گیا ہے اس رات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیلۃ القدر خیر من الف شھر تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلٰم ھی حتی مطلع الفجر۔ یعنی سورج کے ڈوبنے سے لے کر صبح تک کلام الہٰی لانے والے فرشتے اُترتے رہتے ہیں۔ سلامتی۔ رحمتیں اور برکتیں بنی نوع انسان پر چھا جاتی ہیں۔

غرض

جمعہ اور رمضان

دونوں اپنے اندر برکتیں رکھتے ہیں۔ لیکن اگر جمعہ اور رمضان دونوں جمع ہو جائیں تو تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ اس وقت کتنی برکات کا اجتماع ہو جائے گا۔

آج جمعہ بھی ہے اور رمضان بھی ہے۔ پنجابی میں مثل ہے چُپڑی تھے دو دو اور کیا چاہیئے۔ ہمارا ملک غریب تھا لوگ سمجھتے تھے کہ چُپڑی ہوئی روٹی ایک ہی مل سکتی ہے۔ دو نہیں۔ اس لئے یہ مثل بن گئی۔ کہ روٹی چپڑی ہوئی ہو۔ اور پھر دو دو مل جائیں تو اور کیا چاہیئے۔ اگر ایک شخص کو دو چُپڑی روٹیاں مل جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے اور کیا چاہیئے۔ اسی طرح جسے قبولیت دعا کے دو مواقع مل جائیں۔ اسے اور کیا چاہیئے۔ رمضان کی اس دفعہ کچھ بندش ایسی ہے کہ اس میں چار جمعے آئیں گے۔ بعض سالوں میں رمضان میں پانچ پانچ جمعے بھی آجاتے ہیں۔ مثلاً مہینہ جمعہ یا ہفتہ سے شروع ہو گیا تو اس میں پانچ جمعے بھی آجاتے ہیں لیکن اس سال رمضان میں پانچ جمعے نہیں آئیں گے چار آئیں گے۔ اور ان کے علاوہ باقی ایام بھی برکت والے ہوتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان

ان ایام سے فائدہ اٹھائے

کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر برکتوں کے دن آتے ہیں۔ لیکن وہ ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق نہیں رکھتے۔ مثلاً نابالغ بچے ہیں ان پر روزے فرض نہیں اور نہ وہ روزے رکھ سکتے ہیں۔ یا بوڑھے ہیں۔ ان کے قویٰ انہیں جواب دے چکے ہوتے ہیں۔ روزے ان پر فرض بھی نہیں اور وہ رکھتے بھی نہیں۔ یا مثلاً بیمار ہیں ان کی قوت مضمحل ہو چکی ہے اور روزے رکھنے سے خدا تعالےٰ نے انہیں منع فرمایا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جن کو ان ایام سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان میں روزہ رکھنے کی طاقت بھی ہوتی ہے اور ماحول بھی ایسا ہوتا ہے جو انہیں روزہ رکھنے پر مجبور کرتا ہے لیکن خدا تعالےٰ کے اس فضل اور احسان سے کہ جو بیمار ہیں وہ روزہ نہ رکھیں وہ

ناجائز فائدہ

اٹھاتے ہیں اور بیدار بن جاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم سوئے ہوئے کو تو جگا سکتے ہو لیکن جو جاگتا ہے اور وہ جاگتا نہیں چاہتا۔ اسے نہیں جگا سکتے۔ اس لئے کہ سوتے ہوئے شخص کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کوئی شخص اُسے جگا رہا ہے۔ اس لئے جونہی تم اسے ہاتھ لگاؤ گے وہ جاگ اُٹھے گا لیکن جو جان بوجھ کر سویا پڑا ہوتا ہے اسے علم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اُسے جگا رہا ہے۔ اس لئے وہ نہیں جاگے گا۔ اسی طرح جو لوگ بیمار بنتے ہیں اور خدا تعالےٰ کے اس فضل اور احسان سے جو بیماروں پر ہے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے انہیں صحت دی ہوتی ہے۔ ایمان دیا ہوتا ہے۔ وہ

رمضان کی قدر و قیمت

کو سمجھتے ہیں۔ پھر وہ روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ایک مہینہ کے برابر لمبی سرنگ آجاتی ہے جس میں سے گذرتے ہوئے وہ خدا تعالےٰ کے فضلوں کو حاصل کر لیتے ہیں اور خدا تعالےٰ سے اپنی دعائیں منواتے ہیں۔ جن کو قبول کروانے کی صورت پہلے نظر نہیں آتی تھی۔ یہ لوگ جب رمضان میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی حالت اور ہوتی ہے اور جب رمضان سے نکلتے ہیں۔ تو ان کی حالت اور ہوتی ہے۔ بعض دفعہ وہ رمضان کے مہینے میں ننگے داخل ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کی عطا کی ہوئی خلعتوں سے لدے ہوئے نکلتے ہیں بعض دفعہ وہ روحانی بیماریوں سے مضمحل اور خمیدہ کمر کے ساتھ رمضان میں داخل ہوتے ہیں لیکن چست چالاک اور تندرست شخص کی شکل میں نکلتے ہیں کئی لوگ روحانی طور پراندھے داخل ہوتے ہیں لیکن سجاکھے۔ دیکھنے والے اور تیز نظر نکلتے ہیں۔ کئی لوگ دل کے جذامی اس مہینہ میں داخل ہوتے ہیں لیکن جب یہ مہینہ ختم ہوتا ہے۔ تو ان کے چہروں پر خوبصورتی۔ رعنائی اور شادابی کا منظر ہوتا ہے۔ جسے ہر شخص دیکھتا ہے۔ اور واہ واہ کرتا ہے پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اسکی رحمتوں اور فضلوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور بد قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے خدا تعالےٰ خود اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھولتا ہے اور وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اللہ تعالےٰ ان پر بھی فضل کرے۔ جو خدا تعالےٰ کی برکتوں اور رحمتوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کو بھی ہدایت دے۔ جو اپنی طبعی نابینائی کی وجہ سے اسکی رحمتوں اور فضلوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔

حضرت امّ المومنین کی یادیں!

از محترمہ امۃ اللہ بشیرہ بیگم صاحبہ اہلیہ جناب سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد

حیدرآباد کے شاہی خاندان اور طبقۂ اُمراء و مشائخین کرام کی بیگمات میں جس قسم کی بیجا اور تکلفاً متانت و بردباری میں نے دیکھی ہے اس سے بہت زیادہ حقیقی متانت و بردباری میں نے حضرت اماں جانؓ میں دیکھی۔ بعض اوقات تو یہ معلوم ہوتا کہ آپ گویا کہ ہتھیں ہیں اور کسی وقت جب صاف گوئی کی ضرورت محسوس کرتیں تو اس طرح صفائی قلب اور بے تعلقی کے ساتھ گفتگو فرماتیں کہ طبقہ غرباء اور عوام کے دلوں میں آپ جاگزین ہو جاتیں۔

ہر چند میں چاہتی ہوں کہ آپ کے حسن خلق کے متعلق کچھ بیان کروں مگر مشکل یہ ہے کہ آپ کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست قیام و طعام عبادات و معاملات ان سب باتوں کے اظہار کے لئے مجھے اپنی کم علمی یا مضمون نگاری کی مشق نہ ہونے کے باعث کچھ ایسے موزوں الفاظ نہیں مل سکتے ہیں کہ جس سے میں آپ کے صحیح طرز عمل اور کردار کا نقشہ کھینچ سکوں۔

مختصر یہ کہ ہم جس طرح چرند و پرند کے سامنے ان کو دکھلانے کے لئے اپنے کسی خلق وغیرہ کا اظہار نہیں کیا کرتے اسی طرح اماں جانؓ کے آگے ہماری حالت بھی چرند و پرند کے مانند تھی آپ کے حقیقی اخلاق بے تکان بغیر تکلف کے ہم پر ظاہر ہوتے تھے کبھی بھی ہمیں دکھلانے یا بتلانے کا اس میں شائبہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

بظاہر دیکھنے اور سمجھنے کے لئے بات معمولی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ہم حساس طبیعت سے اس کا صحیح اندازہ لگائیں تو اس میں ایک حقیقت نکل آتی ہے۔ حضرت صاحبزادی امۃ الحمید بیگم صاحبہ کے تقریب رخصتانہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ کے مکان میں جماعت کی صدہا بہنیں صحن میں جمع تھیں۔ جن کی شربت خوری سے ضیافت کی جا رہی تھی۔ میں بھی اپنے متعلقین سمیت سب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ حضرت اماں جان نے چلمن میں سے مجھے دیکھ کر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے استانی میمونہ صاحبہ یا کسی اور کے ذریعہ مجھ کو اور میرے متعلقین کو اندر بلوایا۔ میں جب کمرہ میں داخل ہوئی تو خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے حسن انتظام و لطافت طبیعت اور شستگی و شائستگی کا مجھے اندازہ ہوا کہ کس سلیقہ کے ساتھ انتظام کیا گیا تھا اماں جانؓ نے مجھ سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ ہمارے یہاں اس قسم کی شادی ہوا کرتی ہے۔ یہی دیکھنے کے لئے میں نے تمہیں روکا تھا۔ اب بیٹھو اور کھاؤ پیو۔ دعوت کے اس سلیقہ مندانہ فرش و فروش و نفیس دستر خوان اور پھر اس کے ساتھ بلا فخر و تبختر اور بلا کسی انکسار آن بان کے محض صفائی قلب کیساتھ جو انتظام کیا گیا تھا۔ ان ہر دو کیفیات کو بیک وقت دیکھتے ہوئے اس وقت مجھے یہ آیت شریفہ ذہن میں آگئی اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ

سچ ہے کہ روحانی جسمانی۔ ظاہری و باطنی ہر دو قسم کی صفائی و طہارت و صلاحیت مومن کیلئے لازمی ہے۔

میں نے جہاں تک اندازہ لگایا مجھے ہر دم یہ محسوس ہوتا تھا کہ حضرت اماں جان ہر ایک کے اخلاص کو گرمانے اور اپنے سے قلبی تعلق کو مضبوط کرنے کی ایک خاص تڑپ رکھتی تھیں۔ اسی امر کے مدنظر میں ایک جلسہ سالانہ پر شہر فرخ آباد کی ایک ریشمی نفیس دلائی جو اکثر دلہنوں کے جہیز میں دی جاتی ہے اور جو خاص آرڈر سے تیار ہوتی تھی حضرت اماں جان کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس تحفہ کو قبول فرما کر فوراً اس کو اپنے اوپر ڈال لیا۔ اور مجھے خوش کرنے کے لئے اس کی ساخت وغیرہ کی تعریف بھی فرمائی۔ چنانچہ اس واقعہ کے دو تین سال بعد پھر میں جلسہ سالانہ پر حضرت اماں جان کی خدمت میں جب حاضر ہوئی تو آپ نے انتہائی محبت و شفقت سے فرمایا کہ دلھن بادشاہ (اس عاجزہ کو اکثر آپ اسی نام سے پکارا کرتی تھیں حالانکہ یہ نام میرے لئے ایسا ہی ہے کہ "برعکس نہند نام زنگی کافور") مگر میرے سسرالی عزیزوں کے علاوہ جبکہ حضرت عالیہ ام المومنین خدیجہ آخرین علیہا الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اسی نام سے پکارا تو اب میں اس نام کو اپنے لئے خدائی خطاب ہی سمجھوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری اُس دلائی کو تو میں اپنی ایک پوتی کے جہیز میں دے چکی کہاں ہے ہمارے لئے دلائی یہ خدا کی قدرت کہ میں اس دلائی کے ساتھ کی ایک اور دلائی کو جسے میں اپنے لئے سفر قادیان میں لے گئی تھی۔ چونکہ حیدرآباد کی سردی ایسی نہیں ہوتی جو دلائی استعمال کی جائے اور نہ وہاں اس کا رواج ہے تو اس کو جلسہ پر استعمال کرنے کے لئے ساتھ لے گئی تھی۔ کہ حضرت اماں جان کا یہ ارشاد فرمانا کہ ہماری دلائی

کہاں ہے میں حیران ہوگئی کہ اماں جان کا یہ کیسا معجزہ ہے پس میں نے تھوڑی دیر بعد ہی فوراً اس کو خدمت میں پیش کر دیا تو آپ بہت مسرور ہوئیں اور فرمایا کہ میں اس کو دیکھ کر تمہارے لئے دعا کرتی رہوں گی۔ اس واقعہ نے میرے قلب پر یہ اثر کیا کہ دلائی کی تو کوئی حقیقت نہیں مگر ہماری حضرت اماں جان ہم کو اپنے سے قریب تر کر کے خدا سے ملانے کیلئے چاہتی ہیں کہ ہم اپنے تعلق کو آپ سے مضبوط کر لیں۔

اس کے بعد اسی خیال سے کہ ہر موسم اور ہر روز اماں جان کے قلب میں میری یاد تازہ رہے میں نے روزمرہ کے استعمال کے لئے ایک بیگماتی تحفہ ہمارے شہر حیدرآباد کا یعنی ایک نفیس پاندان جرمن سلور کا جو ہمارے شہر میں لاجواب تیار ہوتا ہے بنوا کر اُس پر اپنا نام کندہ کروا کر جوبلی کے جلسہ پر خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ اماں جان اگر یہ آپ کے استعمال میں رہے تو آپ کی خادمہ ہر دم پیش نظر رہے گی۔ تو آپ نے اس کو بڑی خوشی سے قبول فرمایا اور دعا کے لئے وعدہ بھی کیا۔ ایسے تحفے ایک مستغنی المزاج ہستی کے آگے کیا چیز تھے۔ وہ تو صرف ہم کو اپنے قدموں سے لگائے رکھنے کے لئے اظہارِ مسرت فرمایا کرتیں۔

ایسے اور اس سے بڑھ کر بھی ایمان افروز واقعات ہیں مگر اس وقت دل حزیں اور آنکھیں اشکبار ہیں جو اس سے زیادہ لکھنے کا موقع نہیں دیتیں بشرط زندگی آئندہ اور بھی لکھنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔

پس اے میری بہنو! اس میں شک نہیں کہ آج ہماری محترم اماں جان ہم سے جدا ہو گئیں لیکن وہ زندہ ہیں اور ہم میں موجود ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے اخلاق ان کے نمونہ کی محترم ہستیاں بحمد اللہ ہم میں زندہ موجود ہیں۔ خداوند تعالےٰ ہماری ہر دو صاحبزادیوں اور بہوؤں۔ پوتوں اور نواسیوں اور پھر ان خاص بہنوں کو جو کہ روحانی طور پر اماں جان کے رنگ میں رنگین ہو چکی ہیں تا دیر سلامت رکھے اور ہم کو بھی اپنی پاکیزہ مادرِ مہربان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اے اماں جان! آپ پر خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں تقسیم ہند کے بعد سے میری ہر دم یہ دعا تھی کہ پھر ایک بار آپ کے چہرہ انور کو دیکھوں مگر میری بدقسمتی سے یہ عزم پورا نہ ہوا اب آپ کی رحلت کے بعد سے دل میں یہ عہد کرتی ہوں کہ آپ کی ترقی مدارج کے لئے تا دم زیست دعا کرتی رہوں گی۔ اللہ تعالےٰ مجھے توفیق عطا کرے۔ آمین۔

"الدار" میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی مستقل قیام گاہ

نمبر ۲

از جناب مرزا برکت علی صاحب اسسٹنٹ سول انجینئر آف ابادان (ایران)

اخبار بدر مورخہ ۲۴ رمئی ۱۹۶۲ء میں "الدار" کے اوپر کے حصہ کا نقشہ جس میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی مستقل رہائش گاہ مع ضروری نوٹوں کے شائع ہو چکا ہے۔ آج کی اشاعت میں حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا ادام اللہ فیوضہا کی رہائش گاہ کے نچلے حصہ یعنی سطحی الدار (ground floor) کا نقشہ عمارت کے احمدیوں کے لئے خصوصاً پاکستان کے دوستوں کے لئے جو اس مقدس بستی کو دیکھنے کے لئے ترس رہے ہیں۔ اور ان دوستوں کے لئے ازدیاد علم کے لئے بھی جن کو کبھی ان مقدس مقامات کو اندر سے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہ نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) بیت الولادت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کمرہ کی بلندی قدیم زمانہ کے دستور کے مطابق بہت کم تھی اور سوائے دروازوں کے کوئی روشندان نہ تھا۔ بعد میں اس کی چھت کو اونچا کیا گیا اور اب بھی حضرت اماں جان کی طرف دو روشندان بھی روشنی کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کمرہ اس وقت صاحبزادگان مرزا عزیز احمد و مرزا رشید احمد صاحبان کے مکان کا حصہ ہے۔

(۲) دروازہ جس میں سے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھانا ایلچہ ریاضت میں آیا کرتا تھا۔ اور جو حضور چھکڑ کے ذریعہ اوپر کھینچ لیتے تھے۔ اب یہ دروازہ حضرت اماں جان کی طرف سے بند کر دیا گیا ہے۔ کوٹھڑی زیر بیت الریاضت کے ملحقہ کمرہ بطرف جنوب ۲ اس کے نیچے تہ خانہ تھا۔ جو موسم گرما میں زیر استعمال رہتا تھا۔ اس کمرہ میں حضرت عائشہ الحفیظ بیگم صاحبہ کا جہیز بھی رکھا گیا تھا۔

(۳) کنواں "الدار" یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت جب حضرت تائی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کنوئیں سے پانی لینے پر حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کو منع کیا تو فوراً بنوا کر دے دیا۔ اس کا پانی بہت ٹھنڈا اور لذیذ ہے۔ اس کنوئیں کی کھدائی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

(۴) بعض ضروریات کے ماتحت قدیم ڈیوڑھی کا بنا کرنے کے بعد کھلوا دی گئی۔ شاید اس کے نیچے یا اس کے شمالی کمرہ کے نیچے تہ خانہ تھا جس کا ذکر ۲ میں کیا گیا ہے۔

(۵) ڈیوڑھی قدیم "الدار"

پانچ و چھ و آٹھ اور نو۔ ان کمروں کے اوپر کے حصہ میں سیدہ حضرت ام متین کی رہائش گاہ تھی۔ اور اس کے بطرف شرق سیدہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا شہر والا مکان ہے

اور تعمیر کے وقت حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی نے بھی ایک کونے تک اٹھانے میں حصہ لیا۔ اس وقت حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھت پر کھڑے ہو

(۷) جہاں مدرسۃ البنات ۱۹۲۶ء میں شروع ہوا۔ اس مدرسہ کے معلم سیدنا حضرت مصلح الموعود ایدہ اللہ بھی تھے۔

(۱۰) بیت الولادت سیدنا المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز۔ یہ کمرہ اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ کمرہ میں سے ہو کر گول کمرہ میں آمد و رفت تھی۔ بیت الولادت کے کمرے کی کھڑکی جنوب کی طرف کوچہ زیر مسقف مسجد مبارک میں کھلتی ہے

(۱۱) کمرہ زیر چوبارہ بیت الفکر جس کا ذکر براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸ حاشیہ میں درج ہے۔

(۱۲) تین چھوٹے کمرے زیر دالان سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا جو دالان بروایت حضرت سیدۃ النساء بیت الفکر میں بھی شامل ہے۔

(۱۳) عارضی رہائش گاہ اس کمرہ میں بھی سیڑھیاں ہیں۔ جو حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے دالان میں کھلتی ہیں۔ آجکل یہ چھوٹا سا کمرہ کا دروازہ بند کیا ہوا ہے۔

(۱۴) عارضی رہائش گاہ۔ اس کمرہ میں چوبی سیڑھی ہے۔ جو سیدۃ النساء حضرت اماں جان رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے دالان میں کھلتی ہے۔ آج کل یہ چھوٹا سا کمرہ کا دروازہ بند کیا ہوا ہے۔

۱۵ و ۱۶ و ۱۷۔ ان کمروں کے اوپر حضرت سیدہ ام ناصر احمد سلمہا اللہ تعالےٰ کی رہائش گاہ تھی۔

(۱۶) اس دروازہ سے کمرہ ۱۷ میں سے گزر کر راستہ باہر کوچہ میں کھلتا ہے جو حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کے مکانات کو جاتا ہے۔

ضروری نوٹ

(۱) بروایت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت اماں جان ادام اللہ فیوضہا فرماتی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دالان کو بیت الفکر کا ہی حصہ قرار دیا ہے۔

(۲) جس میں الہام الٰہی کے الفاظ من دخلہ کان امناً آئے ہیں وہ بیت الذکر کے لئے ہیں۔ رسالہ مصباح ۱۵ جون صفحہ ۲۲ ۶۲ء کی اصلاح فرمالیں۔

(۳) حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے دالان میں ایک کھڑکی کی بجائے عنوان لکھا گیا ہے جس کی تصحیح بدر مورخہ ۱۲ رمئی میں کر دی گئی تھی۔ الفضل میں اسی طرح چھپ گیا ہے۔ دوست اس کی اصلاح فرمالیں۔ تاکہ تاریخی لحاظ سے آئندہ کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔

(۴) اس طرح مصباح مورخہ ۲۲ نمبر ۲ "بیت الدعا" کے متعلق جو نوٹ شائع ہوا ہے۔ میں آئینہ تحریر کرنے سے رہ گیا کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاص طور پر دعا کی غرض اور نمازوں کے لئے تعمیر کروایا تھا۔ گھر کی نمازوں سے مراد سنتیں اور نوافل ہیں۔ آخری عمر میں بعض نمازیں بیماری کی وجہ سے حضور مسجد بیت میں پڑھاتے تھے۔ جس میں [illegible] اور عورتیں جماعت میں شریک ہو جاتی تھیں۔

نقشہ نمبر ۲
مقامات مقدسہ
قادیان

نقشہ سطحی الدار
پیمانہ ۱۶ فٹ = ۱ انچ

شمال
مشرق
مغرب
جنوب

کمرہ
دروازہ
دروازہ
(۱) 24-8x15
(۲)
8-11x10
دروازہ
روشندان
دروازہ
(۳) صحن الدار 33-3x31-9
9-4x10-6
(۴) 9-4x22-6 انگیٹھی
(۴) 8-9x9
(۵) 18x8-6
(۶)
(۷)
(۷) برآمدہ 16-2x12-6
(۷) برآمدہ 20-8x7-7
(۸) 9-5x7-5
(۹) 9-8x9-5
(۱۰) 19-10x9-4
(۱۱) 13-4x8-10
(۱۲) 12-3x5-10
(۱۲) 12-3x7-11
(۱۲) 13-3x7-2
(۱۳) 6-3
(۱۴) سیڑھیاں
(۱۵) کمرہ 10-10x22
(۱۵)
(۱۶) برآمدہ
(۱۶) سیڑھیاں
(۱۷) 10-6x9-4
دروازہ
کھڑکی
حصہ کوچہ مسقف
مکان قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے
کوچہ
کوچہ بطرف مسجد اقصیٰ
مسقف کوچہ زیر مسجد مبارک
گول کمرہ
کوچہ بطرف مکان نواب صاحب
حصہ کوچہ مسقف
دروازہ

اسلام اور بانی اسلام غیر مذاہب کے مہاپرشوں کی نظر میں

از مکرم سید ارشد علی صاحب لکھنوی

کل کے غیر منقسم ہندوستان میں مذہبی عداوت کا گھنونا بیج مذہب کے غیر ذمہ دارانہ افراد کے علاوہ بھارت کے بیرونی دشمنوں نے ایک ایسی زہر آلود آب پاشی کے ذریعہ بویا تھا جس کی جڑوں میں غلامی کے دشمن انسانیت کیڑے تھے تو خالص بدیشی لیکن ان کی سینچائی کا ابتدائی کام چند ایسے مذہبی لوگوں سے کرایا گیا۔ جو مذہب کی بجائے خالص پیٹ کے بندے تھے۔ ایسے دشمن مذاہب لوگ بظاہر تو بڑی بڑی شخصیتوں کے روپ دھارن کئے ہوئے تھے مگر خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ دھرم کے بیری صرف دھرم ہی کے دشمن نہیں تھے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بھارت کی غلامی کے مہا پاپ کے وہی مرتکب ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے ہندوستان کو بے حد صدمہ پہنچا اور آزاد اقوام کے سامنے ہم اپنی پیدائشی ندامت سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے ہمیں آزادی کی نعمت عطا فرمائی آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت کی اگر ہم نے اپنے پرانے تجربہ کے بعد قدر نہ کی تو پھر ہماری نااہلیت پر غیر تو غیر خود ہماری آنے والی نسلیں خون کے آنسو روئیں گی۔ اس لئے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم چوکس اور ہوشیار ہو جائیں۔ اور انتہائی سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کریں کہ ہماری آزادی کی بقاء و دوام کے لئے ہمیں کن کن اوصاف اور کن اعمال یا کاموں کی ضرورت ہے۔ اور ہماری سابقہ غلامی کے کیا اسباب تھے۔

ہماری غلامی کے اسباب

ہماری غلامی کے قابل نفرت اسباب میں سے سب سے بڑا المناک سبب یہ تھا کہ بعض سیاسی افسانہ نویسوں کے بے سروپا اور قطعی جھوٹے پروپیگنڈے سے ہم کچھ اس بری طرح متاثر ہو چکے تھے کہ ہم ایک دوسرے کو خونخوار دشمن ہی سمجھتے تھے ہمیں انسانیت کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہندو اور مسلمانوں کی بے بنیاد دشمنی کے علاوہ ہندوستان میں ہندو۔ ہندو مسلمان مسلمان اور سکھ میں یہ خطرناک مرض بری طرح اپنا گھر کر چکا تھا۔

خدا کے مامور

خدا تعالےٰ کی سنت قدیمہ ایک روشن آفتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ اور ہماری فطرت بھی گواہی دیتی ہے کہ جب زمین کا بگاڑ حد سے گذر جاتا ہے تو ایسے خدا فراموش زمانے میں حق تعالےٰ اپنے کسی خاص بندے کو مبعوث فرماتا ہے۔ اس موجودہ زمانے میں بھی جب ساری دنیا ایک ہیبتناک عذاب کا شکار ہو چکی تھی۔ خدا تعالےٰ نے زمین کی اصلاح کے لئے اپنا ایک رسول قادیان کی پیاری بستی میں بھیجا۔ خدا کے نبی جب دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں تو زمین و آسمان کی عالمگیر شہادتوں اور ان نشانات کے علاوہ ان کی الٰہی تعلیم کا ایک ایک شوشہ دنیا کے گرے ہوئے انسانوں میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے ساری دنیا پر ان کی سچائی کا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی صداقت پر لاکھوں زندہ نشانات ہیں ۔۔۔۔۔

۔۔۔ ایک شاندار اور معجزانہ نشان پیش کرتا ہوں۔ جس کا خارجی اثر بلا مبالغہ ایک چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ ہے۔ نیکی کرنا یا نیکی کی تعلیم دینا یہ باتیں نیکی کی طرف منسوب تو ہو سکتی ہیں۔ لیکن بذات خود یہ نیکی کا کوئی ایسا بڑا کمال نہیں۔ جس کو دلیل ہدایت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ بلکہ عقلاً اور بداہتاً ایک نیک انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ بلا امتیاز مذہب تمام دنیا کے نیک لوگوں کا مصدق ہوتا ہے۔ خدا کے رشی شری احمد قادیانی کے ایک سچے نبی اور معصوم انسان ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے انسانی نسل کی بقاء اور دنیا میں حقیقی قیام امن کے لئے ایک ایسا آب حیات پیش فرمایا۔ جس کا دنیا کی عام آبادی کے علاوہ موجودہ زمانہ کی مذہبی جماعتوں میں بھی فقدان تھا۔ اور جس کے بغیر دنیا ہمارے لئے بجائے امن و سلامتی کے ایک آتشکدہ بنی ہوئی تھی۔ اور ہماری باہمی دشمنی اور عداوت کے ہیبتناک شعلے ہمیں اس ہون کنڈلی میں بھسم کر دینے کے لئے اس آخری منزل پر پہنچ چکے تھے۔ جہاں پر انسانی داعیوں نے ہانپ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پورے ہندوستان کی اس آگ کو بجھانے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی تھی۔ مسلمانوں کے لیڈر ہندو رشیوں کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھتے تھے۔ اور ہندو دھرم کے پرچارک یہ ایمان رکھتے تھے کہ نعوذ باللہ مسلمانوں کے سب نبی جھوٹے تھے۔ اور ہمارے عیسائی بھائی تو اس معاملہ میں کچھ اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے اپنی مقدس کتاب میں یہاں تک کہہ دیا کہ مجھ سے پہلے جتنے آئے وہ سب چور اور بٹمار تھے۔

غرضیکہ ان خونریز اور دشمن امن عقائد نے دنیا کے امن و سکون کو متزلزل کر رکھا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دارالامان (یعنی قادیان) سے یہ روحانی اعلان فرمایا کہ ہندوؤں کے رشی منی خدا کے پیارے بندے اور نبی تھے۔ حضرت کرشن۔ حضرت رامچندر اور مہاتما بدھ یہ سب ایک ہی آسمان کے چاند و سورج تھے۔ خدا تعالےٰ نے تمام اقوام عالم میں اپنے پاک نبی بھیجے ہیں۔ میرے آنے کی غرض یہی ہے کہ میں تمام اقوام عالم میں رواداری، اتحاد اور انسانی ہمدردی اور تقویٰ پیدا کروں میں اپنی جماعت کو حکم دیتا ہوں کہ تم سب خدا کے پیاروں کی عزت کرو۔ اور ان کی شان میں کوئی کلمہ ایسا نہ کہو جس سے ان کی توہین ہوتی ہو دیکھو خدا کی زندہ شریعت اور آخری کتاب قرآن شریف کی یہی پاک تعلیم ہے۔

حضرت احمدؑ کی کامیابی

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام کی اس پاک تعلیم نے ان کروڑوں غیر احمدی مسلمانوں میں سے کئی لاکھ ایسے متقی اور امن مجسم انسان پیدا کر دیئے جنہوں نے اپنے سروں سے کفن باندھ کر ساری دنیا میں۔ اور ایسے ایسے خطرناک ممالک میں جہاں کرشن اور رامچندر کو نبی کہنے کی سزا موت سے بہت زیادہ سنگین صورتوں میں دی گئی۔ اپنے ان عقائد حقہ کی بے خوف ہو کر اشاعت کی اور اب بھی جہاں جہاں دنیا میں احمدی جماعتیں ہیں۔ وہ اپنے اس مذہبی عقیدے کا پرچار کرتی رہتی ہیں۔ اور سچ یہی ہے کہ یہی وہ پاک تعلیم ہے جس سے اب دنیا کی نجات وابستہ ہے۔

فرقہ وارانہ جنگ

دنیا میں فرقہ وارانہ جنگ صرف اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ ہر جماعت اپنے علاوہ دوسرے کے نبیوں کو جھوٹا سمجھتی ہے۔ ایک اکیلی جماعت احمدیہ ہی ایسی جماعت ہے۔ جس کا مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ دوسری قوموں میں بھی خدا کے راستباز لوگ مبعوث ہوئے ہیں۔ اگر احمدیوں کی طرح تمام مذاہب کا یہی مذہبی عقیدہ ہو جائے۔ تو پھر دنیا میں امن ہی امن ہو جائے۔ ہماری باہمی دشمنی کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم دشمنوں کے جھوٹے افسانوں کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہماری حالت پر رحم کرے۔ افسوس ہم اگر بھارت کے بیرونی دشمنوں کے بجائے اپنے دیش کے مہاپرشوں کی رائے ایک دوسرے کے متعلق پڑھتے اور ان کو یقین و ایمان کے ساتھ اپنے دل میں جگہ دیتے تو ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو کیوں برباد کرتے۔

بھارتی بھائیو! ذرا غور تو کرو۔ یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ہم بھارت کے سیاسی دشمنوں کی جھوٹی کہانیوں کا تو شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنوں کی سچی باتوں کا ہمارے دل پر اثر نہیں ہوتا یہ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ بھارت کے وہ چوٹی کے لیڈر جنہیں زبان سے تو بھارت کے چاند اور سورج کہا جاتا ہے۔ لیکن عملی زندگی میں ہم ان کے منوہر بیانات سے اپنے اندر کوئی معمولی سے معمولی تبدیلی اور کمزور سے کمزور یقین بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ دیکھئے! اسلام اور بانی اسلام کے متعلق یہ بلند پایہ شخصیتیں کیا فرماتی ہیں۔ بھارت کے مہاپرشوں کی بہت ہی مخلص، انتہائی سچی، اور حقیقت افروز آراء میں سے میں بخوف طوالت بہت ہی اختصار کے ساتھ چند اقتباسات ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

گاندھی جی

نے مدت ہوئی۔ اپنے مشہور اخبار ینگ انڈیا میں لکھا تھا۔

"کئی بار رسالت پناہ نے اپنی جان مبارک خطرہ میں ڈالی۔ لیکن آپ کا اللہ تعالےٰ پر ایمان نہایت قوی غیر متزلزل اور اٹل تھا۔ بے شمار مصائب اور بیجا تکالیف پر بھی آپ ہشاش بشاش رہتے تھے۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ خدائے عزوجل آپ کا معاون ہے۔ اور آپ نیابت حق کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اگر (آنحضرت صلعم) کے متبعین اپنے آقائے محترم کے جذبۂ ایثار اور قوت ایمان کا نصف بھی اپنے اندر پیدا کر لیں تو پھر مسلمانوں کی قوت مخالفوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی مساوی نہیں بلکہ زیادہ ہو جائے گی۔"

بحوالہ پیغام الصلح ۲۴ ص۵

گاندھی جی

پھر اپنے اخبار ینگ انڈیا میں تحریر فرماتے ہیں

"میں جوں جوں اس حیرت انگیز مذہب (اسلام) کا مطالعہ کرتا ہوں حقیقت مجھ پر آشکار ہوتی جاتی ہے کہ اسلام کی شوکت تلوار پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس کے خلفائے اولین کی ذہنیت برداشت ان کی قربانی اور بزرگی پر منحصر ہے۔"[1]

(بحوالہ اخبار پرکاش ص۱)

لالہ لاجپت رائے

مشہور مصنف اور مورخ لالہ لاجپت رائے صاحب لکھتے ہیں:۔

[1] (اسلام اور [illegible] ص۱)

اسلام اور بانیٔ اسلام غیر مذاہب کے جہا پرشوں کی نظر میں (بقیہ صفحہ ۶)

"میں مذہب اسلام سے محبت رکھتا ہوں اور اسلامی پیغمبر کو دنیا کے بڑے مہا پرشوں میں سمجھتا ہوں - آپ کی پولیٹیکل تعلیم کا مداح ہوں - اسلام کا بہترین رنگ وہ ہے - جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھا"

(ایک آریہ کے چھ سوالوں کا جواب ۳۶ نیز اسلام اور علمائے فرنگ ص۱۴۰)

مسز سروجنی نائیڈو

بھارت کی مشہور عالم فصیح البیان دیوی سابق گورنر یو - پی مسز سروجنی نائیڈو دو کنگسوے لنڈن میں ایک بہت بڑے علمی مجمع میں اپنی مخصوص انداز فصاحت سے موتی بکھیرتی ہوئی ہیں "میرا تعلق ایک ایسے مذہب سے ہے جسے عام الہامی مذاہب کے دائرہ سے خارج سمجھا جاتا ہے - یعنی اس کی بنیاد الہامی کتاب نہیں - تاہم میں اپنے آپ کو اس قابل پاتی ہوں کہ اس عالمگیر اخوت کا آپ کے سامنے اعتراف کروں جس کے نقش میرے قلب پر موجود ہیں - اور جو حضرت محمد صلعم کی پاکیزہ اور شاندار کوششوں کا نتیجہ ہے - کس قدر اعلیٰ کامیابی اور خوبی کے ساتھ یہ کام آپ نے کیا - ہمارے زمانہ میں نہیں بلکہ آج سے پورے تیرہ صد سال پیشتر اس کا دلی اعتراف کئے بغیر میں نہیں رہ سکتی ....

... محض زبانی باتیں بنا لینا کس قدر آسان ہے! اور یقیناً کس قدر مشکل ہے کہ انہی باتوں کو اپنی عملی زندگی میں نمایاں کر کے دکھایا جائے - پیغمبر اسلام کو اس عالیشان اور عجیب و غریب صداقت کا پورا علم حاصل تھا - اس پاک انسان نے اپنے آپ کو معبودیت اور پرستش کا محل قرار نہیں دیا - اُس انسان کی طاقت اور کمزوریوں کا پورا علم تھا - وہ بنی نوع انسانوں کے اندر رہتا - اُن کے ساتھ بولتا - انہی کے ساتھ چلتا پھرتا اور کام کرتا تھا - وہ خود بھی انسان تھا - اور انسانیت کی حد سے بالاتر حیثیت رکھنے کا دعویٰ اس نے کبھی نہیں کیا - اپنے رات دن کے عملی نمونوں سے اُس مقدس انسان نے یہ شاندار سبق اپنے پیروؤں کو سکھایا کہ زبان سے جو کچھ کہتا ہے اور جس بات کی تلقین کرتا ہے اُس پر اُس کا خود بھی عمل پیرا ہونا ضروری اور اس کے حد امکان کے اندر ہے - وہ خدا ہو کر دنیا میں نہیں آیا بلکہ انسان ہو کر اور انسانوں ہی کی طرح آیا -

وہ پاک انسان ایک نفرت سے بھرپور بغض و عداوت سے مخمور اور جہالت والے معمور دنیا کی طرف لایا - اور اُس صحرا کے اندر جو اس کی پیدائش گاہ تھا اس زبردست اور نہ مٹنے والی صداقت کا اس پر انکشاف ہوا - جو رب العالمین کے وہ یگانہ واحد [illegible]

اور تمام مذاہب کا ایک ہی خدا ہے - اور یہ وہ عالیشان صداقت ہے جس سے پورے طور پر دنیا کو مستفید کرنے کیلئے یہ ضروری ٹھہر جاتا ہے کہ اُسے اپنے عمل کے ذریعہ سے اچھی طرح نمایاں کر کے دکھایا جائے - اور توحید الٰہی کے قائل کل بنی نوع کے سچے وفادار بن جائیں - یہاں اسی سچی اور خالص جمہوریت کا وہ رنگ پایا جاتا ہے - جو اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کی نام نہاد جمہوریتوں کی بے حقیقت اور قابل اعتراض اشکال سے کوسوں دور اور بدرجہا اعلیٰ تر ہے - یہ وہ رنگ ہے جس کو اعلیٰ قرار دیا جا سکتا ہے -

اس کو نہ آپ کا مذہب (عیسائیت) پیدا کر سکا اور نہ ہی میرا مذہب (ویدک دھرم) جو تاریخ میں بہت قدیم اور پرانا ہے - اس کی تخلیق کا موجب ہوا - بلکہ محمد رسول اللہ (صلعم) کی پاک مساعی کا نتیجہ ہے"

(پیغام صلح ۲۶ بحوالہ نظام المشائخ ۱۹۲۸ء)

پروفیسر رام دیو صاحب بی - اے

پروفیسر صاحب گورو کل کانگڑی کے بہت بڑے ودوان اور "ویدک میگزین" کے ایڈیٹر تھے - آپ نے ایک لیکچر جو لاہور آریہ سماج میں دیا تھا - اس کے چند فقرات ناظرین ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیں -

"چھٹی صدی میں عرب کی اخلاقی حالت خراب تھی - جب کوئی باشندہ عرب مر جاتا تھا تو وہ اپنی عورتیں بطور ورثہ چھوڑ جاتا تھا - جس کے بعد اس کا بیٹا سوائے اس عورت کے باقی سب عورتوں کو اپنی بیویاں بنا لیتا تھا - علاوہ ازیں عارضی شادیاں بھی ہوتی تھیں - عرب قوم میں اتفاق کا نام و نشان نہ تھا - یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹا کرتے تھے خیال تھا کہ یہ قوم کبھی اُٹھ نہیں سکتی - لیکن دنیا کی تاریخ میں یہ معجزہ ہوا کہ حضرت محمد (صلعم) نے اس قوم میں جان ڈال دی - حضرت نے انہیں سکھایا کہ بت پرستی چھوڑ دو اور ایک خدا کو مانو - شروع میں حضرت محمد صاحب کے صرف چند معاون و مددگار تھے - ان کی جاتی (قوم) ترتیبیں ان کی [illegible]

آخرکار انہیں مکہ سے نکلنا پڑا لیکن مدینہ میں بیٹھے ہوئے محمد صاحب نے اُن میں جہاد کی بجلی بھر دی - وہ بجلی جو انسانوں کو دیوتا اور فرشتہ بنا دیتی ہے - آنحضرت (صلعم) نے یہ بجلی راجوں مہاراجوں میں نہیں بھری تھی - بلکہ عام لوگوں میں - اور یہ غلط ہے کہ اسلام محض تلوار سے پھیلا ہے - یہ امر واقع ہے اشاعت اسلام کیلئے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی گئی اگر مذہب تلوار سے پھیل سکتا ہے تو آج کوئی پھیلا کر دکھلائے محمد صاحب نے عرب میں کسی قسم کا وشواش (یقین) بھر دیا تھا اُس کی ایک مثال سنیئے - ایک غلام جو مسلمان ہو چکا تھا اس کا آقا دھوپ میں بٹھا کر اُس کی چھاتی پر پتھر رکھ کر پوچھا کرتا تھا کہ بتا تو محمد (صلعم) کو چھوڑتا ہے یا نہیں لیکن غلام صاف انکار کرتا تھا

(اعجاز التنزیل ص۱۲۵ و ۱۲۶) (باقی باقی)

ہم سنا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے اس خاندان کے لئے ایک نان دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس سے جو کھائے گا - برکت پائے گا -

اس خاندان کی موجودہ اقبال مندی اس پیشگوئی پر شاہد ہے - ان لوگوں کو دیکھ کر خدا کی سنت وجعل عالیہا سافلہا یاد کر جاتی ہے -

اس وقت ہندوستان میں احمدیوں کے ایسے خاندان کم ہونگے جو دنیوی عروج میں ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہوں -

غرض ایک عالم کو دینی و دنیوی عروج دکھا کر وہ مرد خدا ترس ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا - ایک شمع محفل تھی وہ بھی بجھ گئی - ان کی زندگی میں کسی نے لحاف بلڈنگ پر اداسی نہیں دیکھی تھی - میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے اُٹھ جانے سے جن کے دل کی چہل پہل اُٹھ گئی - آج وہ کتنی حسرت بھری نظروں سے ان کی جستجو کرتے ہیں یہ محفل تو بہتوں کے دم سے گرم ہو سکتی ہے - مگر ان کی بات ہی کچھ اور تھی - وہ ہوتے تو لطف صحبت دوبالا ہو جاتا -

مرحوم آج اپنی تمام محاسن و کمالات کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں آرام فرما رہے ہیں - ۱۹۲۸ء میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ان کی لاش قادیان پہنچائی گئی - اور درود و دعاء و استغفار کے ساتھ سپرد خاک کر دی گئی - تاریخ احمدیت میں ان کا شمار بھی ان نامور ہستیوں میں ہوگا جنہیں محاصرۂ قادیان کے ایام میں بہشتی مقبرہ کرنے کی توفیق ملی - رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرحوم قابل تقلید نمونہ چھوڑ کر گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے - کہ میں وہ آنسو جو ان کی وفات کے وقت میری آنکھوں سے امنڈے تھے اس تحریر کے وقت پھر امنڈ آئے اے خدا تجھ پر رحمتیں ہوں

سیرت جناب مولوی اختر علی صاحب (بقیہ صفحہ ۸)

بستر علالت پر تھے - ان دنوں بردوان میں انوار کو بڑی تقریب ہوا کرتی تھی - ایک انوار کو میں نے محض ان کی علالت کے پیش نظر وہاں کا پروگرام ملتوی کر دیا - مگر مرحوم کی فراست دیکھئے کہ جس دن ان کی وفات ہونیوالی تھی - وہ رات میں نے ان کے قریب ہی بیٹھ کر گزاری تھی - وہ تو تقریباً رات بھر عبادت الٰہی میں مشغول رہے تھے - صبح کی اذان ہوئی تو انہوں نے مجھ کو پکارا - میں وضو کر کے مسجد جانے لگا تو مجھے اپنے پاس بلایا - اور کہا کہ آپ آج بردوان چلے جائیں - اور جو سلسلہ تبلیغ وہاں شروع کیا ہے اسے جاری رکھیں - میں نے ان کی تشویشناک علالت کے باعث معذرت چاہی تو فرمانے لگے کہ آپ کو میری یہ بات ماننی ہوگی - میں تو ان کے حکم کی تعمیل کرتا ہوا بردوان چلا گیا - افسوس کہ وہ مجھے چھوڑ کر اسی شام کو پروردگار حقیقی کے پاس چلے گئے -

میں نے جب خبر وفات سنی تو مجھے دفعتاً حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اپنی وفات سے پیشتر ایک سریہ کا سردار بنا کر مدینہ سے باہر جانے کا حکم دیا تھا - یہ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس وقت مجھے بردوان جانا کتنا شاق گذرا تھا - مگر اس مرد خدا کی مصلحت کچھ اور تھی -

پھر جب اسی دن سول سرجن آیا - اور اس نے انجیکشن دینا چاہا تو اس سے بھی یہی فرمایا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا اب آپ بھی اپنی ڈیوٹی ادا کر لیجئے -

وہ مرض جو مرحوم کیلئے جانستان ثابت ہوا - اس کی ابتدا نہایت معمولی طور پر ہوئی تھی - ایک مٹکے میں دیہات سے گنے کا رس لایا گیا - ایک گلاس میں نے پیا اور آدھ گلاس انہوں نے - بس اسی دن سے ان کا معدہ ثقیل معلوم ہونے لگا - اور یہی حالت آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی - آخر میں بھوک بالکل مر گئی ورنہ یوں موت کے وقت بھی ان کی تندرستی اچھی معلوم ہوتی تھی - ضعیف العمر ہونے کے باوجود جسمانی قویٰ ٹھوس تھے - اور حواس کی درستگی کا تو یہ عالم تھا کہ کبھی اس بڑھاپے کا گمان ہی نہیں ہوتا تھا - اور مزاج میں چڑچڑا پن تو بالکل آیا ہی نہیں -

مرحوم حضرت مولانا حسن علی رضی اللہ عنہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بھانجے تھے - انہیں کے زیر تربیت ذکر و تبلیغ احمدیت پائی - اپنے خاندان کے سب سے ہونہار فرد تھے آپ کی شادی بھی بردوان کے ایک خاندان میں ہوئی - کہتے ہیں کہ آپ کی زوجہ محترمہ بھی ایک عالم کے لئے حسن و احسان کا مثالی نمونہ تھیں جو آج بہشتی مقبرہ میں آرام فرما رہی ہیں۔

سیرت جناب مولوی اختر علی صاحب مرحوم بھاگلپوری رضی اللہ تعالےٰ عنہ

از مکرم مولوی سمیع اللہ صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ بہار

بھاگل پور کا وہ گوہر تابندہ جس سے کاشانۂ احمدیت جگمگا رہا تھا ۲۴ر جنوری ۱۹۵۰ء کو ہماری آنکھوں سے روپوش ہو گیا۔

وہ معمر انسان جو اپنے پورے مشرقی وقار کے ساتھ ہمیشہ احمدیہ بلڈنگ کے سائبان میں ایک دربار لگائے بیٹھا رہتا تھا ہمیں داغ مفارقت دے گیا۔

اور وہ بحر جود وسخا جس کی ساری زندگی محتاجوں کی حاجت روائی کرتے بسر ہوئی۔ اور جو صبح وشام فقیر ومسکین کو اپنے دسترخوان پر آنے کی دعوت دیتا رہا۔ وہ قبلۂ حاجات اس دار فانی سے رحلت فرما گیا۔

دل اس کی جدائی میں غمگین ہے۔ اور آنکھیں نم آلود۔ کوئی ایسا نہیں۔ جسے اس کے فیض صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا ہو۔ اور اس کی جدائی کے بعد اپنی زندگی میں ایک خلا سا نہ محسوس کرتا ہو۔

انہوں نے اپنے کسب سعی اور اخلاق کی بدولت اعلےٰ سے اعلےٰ طبقہ میں جگہ پائی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا رد سا شہر میں شمار ہونے لگا۔ گورنمنٹ کی نظروں میں بھی قابل اعتماد ٹھہرے۔ زندگی بھر ایک وفادار شہری کی حیثیت سے قوم و وطن کی خدمت میں معروف رہے۔ سالہا سال انسپکٹر آف پولیس کا عہدہ آپ کے سپرد رہا۔ چند ماہ ڈی ایس۔ پی کا چارج بھی لیا۔ بھاگلپور کے ایک مشہور اسٹیٹ "نارکناتھ اسٹیٹ" کے جنرل منیجر بھی مامور ہوئے۔ ان کے زیر اہتمام آتے ہی اسٹیٹ میں نہایت مفید اصلاحات کا نفاذ ہو گیا۔ جن دنوں بھاگل پور میونسپلٹی میں بد نظمی پھیلی ہوئی تھی۔ تو اس کی اصلاح کے لئے بھی آپ کو میونسپلٹی کا سکرٹری بنایا گیا۔ مرحوم کی انتظامی قابلیت حیرت انگیز تھی۔ ان اطراف میں ایسی اعلیٰ صلاحیت کا انسان ابھی تک نہیں دیکھا گیا۔

یہ تو دنیوی مدارج وکمالات تھے۔ مگر ان کا مقصود زندگی تو مذہب تھا۔ انہیں ہر جگہ خدا پرستی کی دھن لگی رہتی تھی۔ مذہب کا وہ مفہوم جو انہوں نے احمدیت کے دامن میں آکر سمجھا تھا۔ ہر محکمہ میں پہنچ کر اس کی خدمت کرتے رہے۔ ہر عقیدہ و خیال والے کے ساتھ بالکل احمدیہ روایات کے مطابق پیش کرتے۔

اس تعصب، عناد اور قوم پرستی کی دنیا میں جب غیر مسلم آپ کے اقوال و اعمال دیکھتے تو محو حیرت ہو جاتے کہ اس صدی میں ایسا انسان کیسے پیدا ہو گیا۔ یہ تو کوئی ستیہ جگ کا دیا پرش معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں نے لیک تہی بھیجنے والے جند وکو بار بار

یہ کہتے سنا ہے کہ یہ مریں گے تو آکاش سے ان کے لئے دیماں آئے گا۔

پھر ان کی کریمی کا یہ حال تھا کہ پنشن کے ساتھ جو اپنی مزروعہ زمین کی پیداوار بھی آتی تھی اسے بھی اخیر سال تک مطالبات سلسلہ اور صدقہ و خیرات میں صرف کر دیتے۔ ذخیرہ اندوزی۔ زر پرستی اور کبر پسندی کی علامت تو بالکل نہیں پائی تھی۔ ان کے مکان کا وسیع سا سائبان بے گھروں کا گھر اور بے پناہوں کی پناہ گاہ تھا۔ ان کا کشادہ ساحل حضرت آدم کی اس جنت کا ظل معلوم ہوتا تھا جس کے متعلق خدا نے کہا ہے انك ان لا تجوع فيها ولا تعرى ولا تظمأ فيها ولا تضحى جس غریب ومسکین کو شہر کے کسی دروازہ پر آب ودانہ نہیں ملتا۔ وہ یہاں آکر اپنی بھوک و پیاس بجھا لیتا تھا۔ وہ زندگی بھر منشاء الٰہی وفی اموالهم حق للسائل والمحروم پر عمل کرتے رہے۔

پھر ان میں ایک عجیب وغریب صفت توکل وغنا کی تھی۔ ان کا ایک کالا سا بٹوہ جو ہمیشہ ان کے آگے پڑا رہتا تھا۔ اسے کسی نے خالی ہوتے نہیں دیکھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ بٹوے میں صرف دس روپے رہ گئے۔ ایک طرف باورچی مطبخ کا خرچ مانگنے آیا اور دوسری طرف کوئی محتاج سوال کرتا ہوا آگیا۔ آپ نے وہ روپے سائل کو اٹھا کر دیدیئے۔ اور جب باورچی کہتا کھانا کیسے بنے گا تو کہتے خدا بھیجدے گا۔ اور سچ مچ خدا نے ہمیشہ بروقت ان کے پاس بھیجا۔ اور خارق عادت طور پر ان کی امداد کی۔

اسی طرح وہ ہمیشہ اپنی دوا۔ اپنے لباس۔ اور اپنے گھر پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔

اسی مرض الموت کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ بٹوے میں صرف دس روپے تھے۔ ڈاکٹر نے نسخہ بھی دس روپے کا لکھا۔ ابھی خادم دوا لانے جا ہی رہا تھا کہ ایک حاجتمند آگیا۔ انہوں نے خادم کو واپس بلا لیا۔ اور وہ روپے محتاج کو دے دیئے۔ پھر یہ کوئی اتفاقی امر نہیں۔ بلکہ مرحوم کی زندگی میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

ایک مرتبہ میرے سامنے ایک واقعہ پیش آیا۔ مرحوم کے متبنی کا لڑکا کہیں غائب ہو گیا۔ اور ساتھ ہی پانچ سو روپے بھی سرہانے سے گم ہو گئے۔ یقیناً بڑے شبہ کا موقعہ تھا۔ مگر مرحوم کی شرافت نفس دیکھیئے کہ ان کی زبان سے ایک لفظ بھی اس قسم کا نہیں نکلا۔ بلکہ وہ رو رو کر صرف لڑکے کی

دعا مانگنے لگے۔ اور یہ مرحوم کی فطری خاصیت تھی کہ جب ایسے حوادث پیش آتے غصہ و پریشانی کی بجائے ان پر رقت طاری ہو جاتی۔ اور وہ توبہ ودعا کی طرف مائل ہو جاتے

ان پر ایک مرتبہ چند بد اندیشوں نے ایک مقدمہ بھی چلایا تھا۔ ان دنوں ان کے صبر استقلال اور پامردی کا بڑا شاندار مظاہرہ ہوا۔ انہوں نے حوادث ومشکلات پر صبر واستقامت کی عجیب ہمت پائی تھی۔

پھر یہ ایمان۔ اخلاص اور عقیدت کے لحاظ بھی اپنے بہت سے ہم عصروں پر ایک گونہ فضیلت رکھتے تھے۔ قبول احمدیت کے وقت انہوں نے خدا سے جو عہد وفا باندھا تھا۔ اس پر تا مرگ قائم رہے ارکان اسلام کی ادائیگی کا دل میں ایک ولولہ سا تھا۔ برکات دعا پر بڑا پختہ ایمان تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ۔ خاندان نبوت اور اکابر سلسلہ سے بے پناہ محبت تھی۔ جب کوئی نمائندہ سلسلہ کا آتا تو ان کی رگ محبت پھڑک اٹھتی۔ ہر شخص کی زبانی ذکر حبیب سننے کے مشتاق رہتے۔ اور فرماتے کہ ہر زبان اپنے اپنے الفاظ میں میرے محبوب کا ذکر کرتی ہے اور مجھے اس میں خاص لطف آتا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد محاصرۂ قادیان کا مرحوم پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ اکثر فرماتے کہ مجھے زندگی کی ہوس نہیں۔ لیکن ایک مرتبہ ان آنکھوں سے پھر تخت گاہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ مقامات مقدسہ اور شعائر اللہ کو آزاد دیکھنا چاہتا ہوں۔

ان کے خصائل حمیدہ میں سب سے بزرگ خصلت اقامت صلوٰۃ کی تھی۔ انہیں یہ بڑا گراں گزرتا تھا کہ اذان کے بعد کوئی شخص مسجد جانے میں تاخیر کرے۔ انہوں نے اپنی آل واولاد کو بھی پابند نماز بنانے کی انتہائی کوشش کی۔ اور نوجوان اسٹوڈنٹوں کی تربیت کا تو انہیں خاص خیال رہتا تھا۔ انہوں نے حتی المقدور فرمان الٰہی يا ايها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم نارا۔ پر عمل کرنے کی کوشش کی۔

آواز بڑی دلکش پائی تھی۔ خوش الحانی سے کلام پاک کی تلاوت کرتے تو بے اختیار دل اس طرف کھنچ جاتا تھا۔ ہمیشہ باترجمہ تلاوت کی عادت تھی۔ اور اکثر اس اثناء میں اتنی رقت طاری ہوتی کہ آواز گلوگیر ہو جاتی۔

ان کے عہد میں بھاگلپور کی مسجد احمدیہ کی تعمیر ہوئی۔ انہوں نے اس میں نمایاں حصہ لیا اگر یہ زندہ رہتے تو امید تھی کہ ان کی خاص کوشش سے مسجد کے اور بہت سے کام ہو جاتے تھے۔ انہوں نے آئندہ سال کے بجٹ میں مسجد کے لئے بھی بڑی رقم رکھی تھی۔

ایک بار ان کے عرصہ ملازمت میں مونگھیر کی مسجد کا مقدمہ چھڑ گیا۔ احباب کا بیان ہے کہ اس وقت انہوں نے پانی کی طرح روپے بہائے۔ اور یہ بالکل درست ہے کہ جب احمدیت کا سوال آجاتا تو ان کے ایثار وقربانی میں بھی طغیانی آجاتی۔

پھر میں نے دیکھا کہ ان کی زندگی کا آخری حصہ بھی سلسلہ ہی کے ایک معاملہ کو سلجھاتے بسر ہوا۔ حضور ایدہ اللہ کی تحریک پر بھاگلپور کے سب ڈویژن بانکاہ میں ایک حلقۂ تبلیغ کھولا گیا تھا۔ جہاں واقفین احمدیت پندرہ روزہ تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک شخص خالد احمد عرف مٹھو میاں کو بھی توبہ کی توفیق ملی۔ جب وہ اپنے پرانے ڈاکوؤں کی جماعت سے نکل کر مسجد بنانے لگے اور راج کی طرف سے جو قتل وغارتگری کی مہمان کے سپرد تھی۔ اس سے انکار کیا تو ان کے پرانے ساتھیوں کو ان کی طرف سے شبہ ہوا۔ اور ان پر قاتلانہ حملہ کیا۔ جس سے وہ شدید طور پر مجروح ہوئے ان دنوں یہی مقدمہ چھڑا ہوا تھا۔

جناب مولوی اختر علی صاحب مرحوم کا آخری لمحۂ حیات بھی اسی مظلوم احمدی کے معاملات پر غور وفکر کرتے بسر ہوا۔ وہ جب تک زندہ رہے ان کی طرف سے نہایت فیاضانہ اور دلیرانہ طور پر مدافعت کرتے رہے۔

مجھے جب ان کے قریب بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ اور میں نے ڈوب کر ان کے حالات کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ ان کی دانست میں کوئی ایسا مستحق امداد احمدی نہیں جن کی وہ خفیہ طور پر مدد نہ کرتے ہوں۔ اور اخلاص کا یہ عالم تھا کہ اسے مخفی رکھنے کی زیادہ کوشش کرتے۔

خود میرا واقعہ ہے کہ جب میں ۱۹۴۲ء میں بیعت کر کے قادیان سے واپس آیا تو اتفاقاً دشمنان احمدیت کے نرغہ میں پھنس گیا۔ ابھی تک مولوی اختر علی صاحب سے میری دید تھی نہ شنید۔ مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ بھاگلپور میں اس قسم کا ایک واقعہ ہوا ہے۔ تو فوراً دریافت حال کے لئے ایک پارٹی بھیجی۔ اور جب ۱۹۴۹ء میں اعداء حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مجھے زیادہ ستانا شروع کیا تو میں اپنے اہل وعیال کو لے کر انہیں کے سایہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ یہ جب تک زندہ رہے۔ بزرگانہ شفقت سے پیش آتے رہے۔ ان کی سیرت کے سلسلہ میں ان کی فراست مومنانہ کا ذکر کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

موت سے دو دن پیشتر نہایت وثوق سے انہوں نے اپنی وفات کی پیشگوئی کر دی تھی۔ اپنے خاص خادم معین احمد کو اس قبر کی صفائی کا حکم دے دیا تھا۔ جس میں ان کی لاش رکھی جانے والی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک ہم لوگوں کو ان کی شفا کی زیادہ امید تھی۔ اور موت کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

پھر میں۔ مجھے تو انہوں نے خاص نصائح سے نوازا

(باقی صفحہ ۷ کالم نمبر ۲ پر ملاحظہ ہو)

چھتیس ۳۶ سال قادیان میں

(۲)

از مکرم خواجہ غلام نبی صاحب سابق ایڈیٹر اخبار الفضل

پہلی دفعہ جب میں قادیان آیا۔ تو اس سے تھوڑے عرصہ بعد سکول میں موسمی تعطیلات ہوگئیں۔ سکول بند ہوگیا۔ اور میں وطن چلا گیا۔ اس وقت تک میں نے بیعت نہ کی تھی۔ میری عمر اور علم اس قابل نہ تھا کہ میں مسائل کو سمجھ سکتا اور کسی رنگ میں کسی چھوٹے یا بڑے نے مجھے بیعت کے لئے مجبور نہ کیا تھا مجبور کرنا تو الگ رہا کسی نے کوئی معمولی سا دباؤ بھی مجھ پر نہ ڈالا تھا۔ اس بات کا مجھ پر خاص اثر ہوا۔ اور جب اس بات کا ذکر میں نے والدہ ماجدہ سے کیا۔ تو ان کی مخالفین کے اس قسم کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کے بارے میں بڑی تسلی ہوگئی کہ قادیان میں جو جاتا ہے اُسے بیعت کر لینے پر مختلف ڈھنگوں سے مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ جو لوگوں نے پھیلائی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اپنے معمولی سے علم اور تھوڑے سے تجربہ کی بنا پر قادیان کی جو اچھی باتیں بیان کیں۔ ان کی وجہ سے قادیان کی تعریف کرنے لگے۔ اور دوسری دفعہ کافی اطمینان اور تسلی کے ساتھ مجھے بھیجا۔

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد میں آیا تو اس سے تھوڑے ہی دنوں بعد حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی دار السلام سے اندرون قصبہ تشریف لاتے ہوئے ایک منہ زور گھوڑے پر سے گر پڑے۔ جو بے قابو ہو کر بھاگ پڑا تھا۔ اور آپ بہت علیل ہو گئے۔ اسی دوران میں جلسہ سالانہ آگیا۔ اور آپ نے باوجود سخت علالت کے مدرسہ احمدیہ کے صحن میں جہاں جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔ بستر علالت پر پڑے پڑے نہایت خفیف آواز میں تقریر فرمائی۔ جسے محترم شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم دوہرا کر مجمع کو سناتے رہے اور آخر میں بیعت ہوئی۔ اس وقت تک مجھے عمر کی کوتاہی اور علم کی کمی کی وجہ سے مسائل کی تو پوری طرح کوئی سمجھ نہ آئی تھی۔ لیکن قادیان کی اعلیٰ طرز زندگی اور اہل قادیان کی غیر معمولی خصوصیات اور طریق عمل میرے دل میں گھر کر چکا تھا۔ بنا بریں میں نے خیال کیا۔ کہ مبادا حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ کی بیعت سے محروم نہ رہ جاؤں بیعت کر لی۔ تاکہ بعد میں یہ افسوس نہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا جو موقع عطا فرمایا تھا۔ اسے میں نے ضائع کر دیا۔

میں سکول میں تعلیم پانا تو اخراجات کی مشکلات کی وجہ سے چھوڑ چکا تھا۔ ادھر اُدھر سے کچھ پڑھنا شروع کیا۔ اور دینی تعلیم پانے کا اچھا موقعہ مل گیا۔ چونکہ اخراجات چلانے کے لئے اس حالت میں بھی کسی انتظام کی ضرورت تھی۔ اس لئے کوئی چھوٹا موٹا کام کر لینے کی بھی تلاش رہی۔ ان دنوں دفتر تشحیذ الاذہان میں جہاں لائبریری تھی۔ اور اخبارات پڑھنے کے لئے مل جاتے تھے میں اکثر جایا کرتا تھا۔ اور جو اخبار مل جاتا اُسے پڑھنے کی کوشش کیا کرتا۔ انہی دنوں دفتر تشحیذ الاذہان میں کچھ تغیرات ہوئے۔ حافظ عبد الرحیم صاحب مالیر کوٹلوی رسالہ کے ایڈیٹر و مینجر تھے۔ مگر چھوٹا موٹا کام بھی وہ خود ہی کر لیا کرتے تھے۔ ان کو فارغ کر دیا گیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ کام کاج کے لئے کسی کو رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس پر میں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور مجھے سات روپے ماہوار پر رکھ لیا گیا۔ اس طرح مجھے تھوڑا بہت دفتری کام کا سلیقہ آنے لگا۔ اسکے تھوڑا عرصہ بعد معلوم ہوا کہ دفتر ریویو آف ریلیجنز اردو میں ایک کلرک کی ضرورت ہے۔ میں نے اس کے لئے کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ غالباً ۱۲ یا ۱۳ روپے تنخواہ رکھی گئی۔ پہلے تو مجھے معمولی دفتری کام پر لگایا گیا لیکن جب میں کچھ چل نکلا۔ تو پھر جو کام میرے سپرد کیا گیا اس پر بھی حافظ عبد الرحیم صاحب ہی رہ چکے تھے۔ وہ سلسلہ کی کتب فروخت کرنے اور ان کا حساب رکھنے کا کام تھا۔ کتب کا بہت بڑا اسٹاک تھا۔ اور وہ کتب فروشوں کو کمیشن پر دی جاتی تھیں۔ دفتر بھی فروخت کرتا تھا دراصل یہ بڑا پیچیدہ اور مشکل سا کام تھا۔ میں نے کوشش کی کہ یہ کام میرے سپرد نہ کیا جائے حتیٰ کہ میں کام چھوڑ دینے پر تیار ہو گیا۔ لیکن بعض دوستوں اور بزرگوں نے تسلی دلائی۔ اور بتایا۔ کہ مشکلات کو عبور کرنے سے ہی ترقی کی طرف قدم بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ اور خدا کے فضل سے عمدگی سے چلایا۔

چونکہ حضرت مولوی شیر علی صاحب دفتر ریویو کے قریب بیٹھ کر بلکہ اسی میں بیٹھ کر کیونکہ کاٹھ کا پردہ صرف درمیان تھا اخبار کا کام کیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ سے بھی میرا تعارف ہو گیا۔ اور میں چھوٹی موٹی کتابیں یا رسالے آپ سے پڑھنے کے لئے مانگ لیا کرتا۔ آپ [illegible] فرمایا۔ تم ان پر ریویو لکھ دیا کرو۔ چنانچہ میں الٹی سیدھی سطریں لکھ دیتا۔ اور آپ درست کر کے رسالہ میں شائع فرما دیتے۔

کچھ عرصہ کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے بحیثیت سکرٹری اور مولوی صدر دین صاحب نے بحیثیت اسسٹنٹ سکرٹری دفتر کا معائنہ کیا۔ مولوی صدر دین صاحب میرے کتب کے حساب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور معائنہ کے دوران میں ہی انہوں نے کہدیا میں اسے ہائی سکول کے دفتر میں لینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ چند دن بعد میرے تبادلہ کا حکم آگیا۔ اور مجھے وہاں بھیجدیا گیا۔

ہائی سکول میں اگرچہ میرے لئے مزید تعلیم پانے کی بہت سی آسانیاں میسر آسکتی تھیں۔ لیکن ہم سن لڑکوں سے میل جول میرے لئے دوبھر تھا۔ اس لئے میں بہت جلد گھبرا گیا۔ مولوی صدر الدین صاحب ایک جلسہ میں شمولیت کے لئے الہ آباد گئے ہوئے تھے۔ اور مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ میں نے استعفا لکھ کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے بڑی ہمدردی اور محبت سے مجھے سمجھایا کہ استعفار نہ دو۔ کام میں تم کو جلد ہی سکھا دوں گا۔ اور یہاں رہ کر تعلیم پانے اور ترقی کرنے کے لئے بھی تمہارے لئے جو اچھا موقع ملے۔ اسے ضائع نہ کرو۔ آپ نے فرمایا۔ میں جب قادیان آیا تھا تو میں نے بھی کام شروع کیا تھا۔ اور پھر تعلیم میں ترقی کر لی۔ آخر جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی نصیحت کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہو رہا۔ تو یہ فرما کر بات کو ٹال دیا۔ کہ میں ہیڈ ماسٹر نہیں ہوں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کے آنے پر تم استعفار پیش کرنا۔ وہی اس کے متعلق مجاز سب کارروائی کر سکتے ہیں۔

اللہ اللہ وہ وقت کیا ہی عجیب اور وہ مقام خیرخواہی و ہمدردی سے کس قدر پُر اور وہ لوگ ایک دوسرے کی کس قدر بھلائی چاہنے والے تھے نہایت ہی ہمدردی اور محبت سے مجھے کام پر بحال رکھنے کی کوشش فرمائی۔ اور کس دل سوزی سے آئندہ ترقی کی امید دلائی۔ لیکن میرا دل چونکہ اچاٹ ہو چکا تھا۔ میں استعفار کی منظوری کا انتظار کئے بغیر کام چھوڑ کر قادیان سے چلا گیا۔ بعد میں میرا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ اور مجھے بقیہ ایام کی تنخواہ بذریعہ ڈاک بھیجدی گئی۔

خلافت ثانیہ میں جب غیر مبائعین پیدا ہوئے تو ایک دفعہ "پیغام صلح" نے میرے متعلق لکھدیا کہ مولوی محمد علی صاحب کے خلاف ہے اس لئے لکھتا رہتا ہے کہ مولوی صاحب نے اسے صدر انجمن کی ملازمت سے برخاست کر کے قادیان سے نکال دیا تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط تھا۔ ان دنوں اکابر غیر مبائعین کی طرف سے مجھ پر بحیثیت ایڈیٹر "الفضل" ہتک عزت کا ایک مقدمہ ایک مضمون کی بنا پر دائر تھا۔ جو روز بروز زیادہ اہمیت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اور وہ مضمون چونکہ مولوی محمد علی صاحب اور دیگر اکابر غیر مبائعین کے خلاف تھا۔ اس لئے غیر مبائعین میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور وہ اسے بہت طول دینا چاہتے تھے۔ "پیغام صلح" میں میرے متعلق جب مذکورہ بالا غلط بیانی شائع کی گئی۔ تو میں نے بھی اپنے قانونی مشیروں سے مشورہ کر کے "پیغام صلح" والوں پر ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی پیشیوں کے بعد غیر مبائعین نے بالکل مساوی شرائط پر صلح کر کے دائر کردہ مقدمہ واپس لے لیا۔ اور ہم نے اپنا مقدمہ چھوڑ دیا۔

مجھے اخبار پڑھنے کا کسی قدر چسکا اس وقت تک پڑ چکا تھا۔ جبکہ میں دفتر تشحیذ میں کام کرنے لگا تھا۔ اور جب میں دفتر ریویو میں گیا تو بھی یہ دلچسپی جاری رہی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ ساتھ ہی مجھے مضمون نویسی کا شوق دامنگیر ہونے لگا۔ اس وقت تک مکرم سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" سے بھی میری واقفیت پیدا ہو چکی تھی۔ اور وہ بھی مجھے بنظر مہربانی دیکھتے تھے۔ چھوٹی موٹی کتب کے مطالعہ کے سلسلہ میں جب میں نے مہابھارت کا اردو ترجمہ پڑھا۔ تو کچھ یادداشتیں نوٹ کیں۔ اور سردار صاحب موصوف کی حوصلہ افزائی پر میں نے اسے مضمون کی شکل دینے کی کوشش کی۔ یہ میری بالکل ابتدائی اور پہلی کوشش تھی۔ میں نے مضمون لکھ کر مکرم سردار صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب محترم سردار صاحب نے اسے قبول فرما لیا۔ اور اپنے اخبار "نور" میں شائع کر دینے کا وعدہ فرما لیا۔ اس وقت ان کا اخبار پندرہ روزہ تھا۔ اور لاہور میں چھپتا تھا۔ وہ کاپیاں لکھوا کر بذریعہ ڈاک بھیج دیتے۔ اور وہاں سے اخبار چھپ کر بذریعہ ریلوے پارسل آجاتا۔ اور قادیان سے شائع ہوتا۔ میرا پہلا مضمون اس میں "مہابھارت کا ایک ورق" کے عنوان سے شائع ہو گیا۔ چونکہ یہ میری بالکل ابتدائی کوشش تھی۔ اس لئے میں نے اپنی حالت کے پیش نظر اپنا نام اسکے ساتھ نہ لکھا۔ صرف غ۔ ن بلانوی پر اکتفا کیا۔ اسی عنوان کے ماتحت میرے دو مضمون اور شائع ہوئے۔ ان سے میرے حوصلہ میں بڑا اضافہ ہوا۔ اور میں نے اس طرف زیادہ توجہ دینی شروع کر دی۔ اخبار نور میں مکرم سردار صاحب نے میرے کچھ اور مضامین بھی شائع کئے۔ دوسرے اخبارات میں بھی میں مضامین بھیجنے لگا۔ اخبار کشمیری میگزین لاہور۔ اخبار اتفاق پشاور اخبار پیغام صلح لاہور وغیرہ میں بھی میرے بعض مضامین چھپ گئے۔

انہی ایام میں جبکہ میں چھوٹے موٹے مضامین مختلف اخبارات میں لکھ رہا تھا۔ اخبار "الفضل" بڑے اہتمام سے نکلنا شروع ہوا جسکی عنان ادارت سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد [illegible] ربانی [illegible] نمبر ۲ کالم نمبر [illegible]

شری کرشن چندر جی

از مکرم مہاشہ محمد عمر صاحب مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ

پرماتما کا یہ اٹل اور دھرو سدھانت ہے کہ جب کبھی دنیا میں ضلالت اور گمراہی کا دور دورہ ہوا اور انسان نے پرماتما کے بتائے ہوئے ستیہ مارگ کو چھوڑ کر نیڑھے مارگ پر چلنا شروع کر دیا تب پرماتما نے اپنی اپار دیا سے اپنے پاس سے گیان دے کر کسی نہ کسی مہان آتما کو سنسار کے سدھار کے لئے بھیجا۔ جس نے آ کر انسان کو پھر سے ستیہ مارگ پر چلا کر اس کا تعلق پرماتما سے پیدا کر دیا۔ آج سے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ورش پہلے بھارت میں یہی اوستھا تھی تب پرماتما نے متھرا کی پوتر بھومی میں اپنا گیان دے کر دیوکی کے گربھ سے ایک یوگیشور کا ظہور ہوا جن کا شبھ نام آنند کند بھگوان کرشن جی مہاراج ہے۔ ہندو گرنتھوں میں آتا ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت متھرا میں آپ کے ماموں مہاراجہ کنس کی حکومت تھی جس نے اپنے باپ اگرسین کو تخت سے اتار کر قید کر رکھا تھا۔ کنس نے راجیہ میں پرجا پر جب انیاچار شروع کئے تب انیاچاروں سے پیڑت ہو کر پرجا نے پرماتما سے دعا کی۔ پرماتما نے اپنے بھگتوں کی رکھشا کے لئے اور کنس کو اس کے پاپ کا پھل دینے کے لئے ان کی دعا کو سنا اور بھگوان کرشن کو بھیج کر اس پاپی کا ناش کیا۔

مشہور ہے کہ جب کنس اپنی بہن دیوکی کو شادی کے بعد رخصت کر رہا تھا تو اس کو آکاش بانی ہوئی کہ ہے دُشٹ تیرے پاپوں کی سزا دینے کے لئے تیری اس بہن کے گربھ سے ایک دویہ جیوتی کا ظہور ہوگا۔ جو کہ تیرا ناش کرے گا اس آکاش بانی کو سن کر کنس واپس آ گیا۔ اور اس نے یہ عہد کر لیا کہ میری بہن دیوکی کے گربھ سے جو بھی بچہ ہوگا۔ اس کو قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد کنس نے اپنی بہن دیوکی اور ان کے پتی واسدیو کو متھرا کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اور جو بچہ بھی ان کے ہاں ہوتا اُس کو مروا دیتا۔ جب بھگوان کرشن کا جنم ہوا تو کہا جاتا ہے کہ واسدیو نے رات کو ہی ان کو اٹھا کر جمنا کے پار گوکل میں اپنے ایک مِتر کو دے آئے۔ اور ان کی لڑکی جو کہ اُسی دن پیدا ہوئی تھی لا کر دیوکی کی گود میں ڈال دی۔ صبح جب کنس کو معلوم ہوا کہ میری بہن کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے تو اس نے لڑکی کو منگوا کر اپنے سامنے قتل کروا دیا۔ جب لڑکی قتل کی جا رہی تھی کہتے ہیں کہ پھر غیب سے ایک آواز آئی کہ او دُشٹ مجھے تو نے بے فائدہ مارا ہے تیرے پاپوں کی سزا دینے کے لئے اور تیرے انیاچاروں کا بدلہ دینے کے لئے بھگوان نے اپنا ایک اوتار پیدا کیا ہے جو کہ تیرا ناش کرے گا۔ سو چنانچہ کرشن بھگوان نے کنس جیسے دشٹوں کا ناش کر کے اس وعدہ کو پورا کیا کہ میں دھرم کے پرچار اور ادھرم کے ناش کے لئے نیز نیکوں کی مدد اور دُشٹوں کے ناش کے لئے یگ یگ میں جنم دھارن کرتا ہوں۔

جماعت احمدیہ اور کرشن

اس تمہید کے بعد میں اختصار کے ساتھ بھگوان کرشن کے جیون پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس وقت بھگوان کرشن کی چار مختلف حیثیتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک فریق یہ مانتا ہے کہ بھگوان کرشن پرماتما ہی تھے۔ جو کہ انسانی جامے میں ظاہر ہوئے تھے ان میں اور پرماتما میں کوئی بھید نہیں ہے۔ دوسرا فریق یہ مانتا ہے کہ بھگوان کرشن دراصل کوئی خاص انسان نہیں تھے۔ بلکہ یہ ایک فرضی وجود تھے جن کا ذکر مہابھارت وغیرہ میں کیا گیا تیسرا فریق یہ مانتا ہے کہ آپ ایک معمولی انسان تھے آپ نہ تو پرماتما کے اوتار تھے اور نہ ہی سدھارک ان تمام عقیدوں کے خلاف چوتھا عقیدہ جماعت احمدیہ کا ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ سدھانت ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بھگوان پرماتما نہیں تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ آپ ان عظیم الشان انسانوں میں سے تھے جن کو پرماتما اپنا خاص گیان دے کر سنسار کے سدھار کے لئے بھیجتا ہے چنانچہ ہمارے پیشوا شری مرزا غلام احمد جی مہاراج قادیانی اپنی کتاب لیکچر سیالکوٹ کے صفحہ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا کی طرف سے روح القدس (گیان) اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف سے فتح مند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا؟

پس حضور کے ارشاد کے ماتحت ہم یہ وشواس رکھتے ہیں کہ وشو دا سمکا لال بھی اُسی مالا کا رتن تھا جس کو پرماتما نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے۔ تاکہ انسانیت اس سے شوبھا پائے اور انہوں نے آکر مانو سماج کے سدھار کے لئے وہ کام کیا جو کہ اُس کے اوتار کیا کرتے ہیں۔

کرشن اور توحید

اس میں شک نہیں کہ اگرچہ بھگوان کرشن کی وہ تعلیم جو کہ آپ نے پرماتما سے حاصل کر کے لوگوں کو بتائی تھی بہت حد تک مفقود ہو چکی ہے لیکن پھر بھی گیتا اور مہابھارت میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو کہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ یقیناً پرماتما کا کلام ہے کسی مفتری انسان کا نہیں۔ چنانچہ گیتا میں ارجن کو اُپدیش کرتے ہوئے کرشن کہتے ہیں کہ:۔

ईश्वरः सर्वभूतानां हृद्देशेऽर्जुन तिष्ठति ।
भ्रामयन्सर्वभूतानि यन्त्रारूढानि मायया ॥
तमेव शरणं गच्छ सर्वभावेन भारत ।
तत्प्रसादात्परां शान्तिं स्थानं प्राप्स्यसि शाश्वतम् ॥

(گیتا ادھیا ۱۸ اشلوک ۶۱، ۶۲)

ترجمہ:۔ ہے ارجن پرم پتا پرماتما تمام انسانوں کے ہردے میں سمایا ہوا ہے اور اس ساری کائنات کو اپنی قدرت کے ذریعہ سے چلا رہا ہے ہے ارجن اپنے تمام وچاروں اور بھاؤں سے اس پرماتما کی شرن میں جا۔ ہے ارجن اگر وہ پرماتما تجھ پر راضی ہو گیا تو تو ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے گا۔ کہ جس کے بعد انسان کو دکھ نہیں ہوتا؟

بھگوان کرشن نے اس میں ارجن کو اُپدیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہے ارجن اگر تو ہمیشہ کا سکھ اور آنند چاہتا ہے تو اس ایک پرماتما کی پوجا کر اور اُسی سے جا کر پرارتھنا کر جس نے یہ سارا سنسار رچا ہے۔ یہ وہ توحید کی عظیم الشان تعلیم تھی جس کو پرماتما کے اوتار اپنے اپنے وقت پر لائے اور اسی کو پھر کرشن جی نے اپنے وقت میں لوگوں کو سکھلایا چونکہ آپ فرماتے ہیں کہ ہے ارجن یہ گیان جو میں تم کو سنا رہا ہوں یہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ یہ وہی پرانا گیان ہے جو کہ ابتدا دنیا میں پرماتما نے وِوسوان کو دیا اور وِوسوان نے منو کو اور منو نے اکشواکو کو دیا۔ ایسا ہی یہ گیان میرے تک پہنچا ہے۔ ارجن یہ گیان نشٹ ہو گیا تھا لیکن آج پھر میرے ذریعہ سے زندہ ہوا جو میں تم کو سنا رہا ہوں۔ پس کرشن جی مہاراج باقی اوتاروں کی طرح اسی توحید کو زندہ کرنے کے لئے آئے تھے جو کہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے دنیا سے اُٹھ گئی تھی۔

کرشن اور مساوات

پھر جب ہم آپ کی تعلیم پر وچار کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مساوات کی وہ عظیم الشان تعلیم لوگوں کے سامنے رکھی کہ اگر ہندو جاتی اس تعلیم پر عمل کرنا شروع کر دے۔ تو ۹۹ فیصدی اس کے کشٹ خود بخود دور ہو جائیں آپ نے پرماتما کی آگیا انوسار یہ دعوے کیا کہ پرماتما کی مخلوق میں کوئی بھید نہیں ہے میرے بھگتوں کو چاہئے کہ وہ منش ماتر کو ایک نظر سے دیکھیں اور کسی کے ساتھ دویش نہ کریں چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ

अद्वेष्टा सर्वभूतानां मैत्रः करुण एव च ।
निर्ममो निरहंकारः समदुःखसुखः क्षमी ॥

جو تمام انسانوں کو دویش بھاؤ رہتی سے دیکھتا ہے اور تمام لوگوں کو اپنا دوست تسلیم کرتا ہے اور تمام انسانوں پر رحم اور دیا کرنے والا ہے اور اس میں تکبر اور غرور نہیں وہ یہ بھگت ہے۔

پھر فرمایا کہ

नाहं वसामि वैकुण्ठे योगिनां हृदये न च ।
मद्भक्ता यत्र गायन्ति तत्र तिष्ठामि नारद ॥

ہے نارد۔ مجھے ڈھونڈنے والے اگر مجھے ملنا چاہیں تو میں ان کو سورگ میں بھی نہیں ملتا ہوں اور ایسے ہی میری تلاش کرنے والے مجھے یوگیوں کے ہردے میں بھی نہیں پائیں گے۔ ہاں مجھے اگر تلاش

راجہ کرشن

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

"واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اوتار میں نہیں پائی جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا جس پر خدا کی طرف سے رُوح القدس اترتا تھا وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پُر تھا اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اُس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ اور الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ہے رودر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔ سو میں کرشن سے محبت کرتا ہوں کیونکہ میں اُس کا مظہر ہوں"۔

لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳، ۳۴ (۲ نومبر ۱۹۰۴ء)

کرنا ہو تو ان غریبوں کی مجلس میں جہاں پر کہ پرماتما کی توحید کی باتیں ہو رہی ہوں میں وہاں پر موجود ہوں گا اور میں وہیں ملوں گا۔ میں بڑے بڑے مندروں اور بڑے بڑے سادھو مہاتماؤں کے پاس نہیں ہوں گا۔ ہاں میں ان غریب بھگتوں کی مجلس میں ملوں گا جہاں پر ایک پرماتما کی کتھا ہو رہی ہو اور بھی بہت سے ہیں جن میں کرشن جی مہاراج نے مساوات انسانی پر زور دیا ہے۔ جن کے درج کرنے کی گنجائش نہیں۔

صلح کا دیوتا جب کوروں نے پانڈوں کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور دریودھن نے صلح کی کوئی شرط نہ مانی تب بھگوان کرشن خود صلح کے لئے تیار ہوئے۔ تاکہ کوروں کو سمجھا کر ان کو لڑائی سے روکیں جب آپ جانے لگے تو دروپدی جس کے بال دوشاسن کے کھینچنے کی وجہ سے مٹی سے بھرے ہوئے تھے پکڑ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور رو کر کہتی ہے کہ مہاراج آپ صلح کے لئے جا رہے ہیں لیکن یہ میرے بال جن کی بھری سبھا میں بے عزتی کی گئی ہے اور جن میں ابھی تک مٹی لگی ہوئی ہے۔ اور یہ مٹی اُس وقت تک رہیگی جب تک کہ کوروں کے خون سے رنگے ہوئے ہاتھوں سے یہ نہ باندھے جا سکیں۔ اور آپ صلح کے لئے جا رہے ہیں۔ تب کرشن جی نے روتی ہوئی دروپدی کو فرمایا کہ اے دروپدی تو غم نہ کر یقیناً عورت کی بہت بے عزتی ہوئی ہے۔ لیکن جو بد نتائج لڑائی کے ہوں گے ان کو دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یقیناً اس ظلم کا ان کو بدلہ ملے گا۔ اے دروپدی ہمالیہ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ممکن ہے۔ آسمان کا زمین پر آ جانا ممکن ہے یہ ممکن ہے کہ سورج مغرب کی طرف سے چڑھے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ان کوروں کو اتیاچار کی سزا نہ ملے۔ اس لئے تو فکر نہ کر۔ چنانچہ بھگوان جاتے ہیں اور صلح کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن دریودھن کہتا ہے کہ

सुचीग्रं न दास्यामि
विना युद्धेन केशव

ہے کرشن میں لڑائی کے بغیر ایک سوئی کے سوراخ کے برابر بھی زمین دینے کے لئے تیار نہیں۔ اور اس کے بعد دریودھن نے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح کرشن جی کو گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن وہ اپنے اس ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہُوا۔ آپ نے پھر آتی دفعہ کوروں کے بڑے بڑے بوڑھوں کو بلایا اور کہا کہ لڑائی اچھی نہیں اس کے نتائج سخت خطرناک ہوں گے۔ جن سے آپ ناواقف ہیں۔ لیکن میری آنکھیں وہ بد نتائج دیکھ رہی ہیں۔ اس لئے آپ یہ کوشش کریں کہ کسی نہ کسی طرح لڑائی رک جائے پانڈو باوجودیکہ مظلوم ہیں میں ان کو سمجھاؤں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ مان لیں گے۔ لیکن آپ

دریودھن اور اسکی پارٹی کو سمجھا لیں تاکہ شائد آپ کی کوششوں کی وجہ سے وہ مہایودھ رک جائے جو کہ منہ کھولے لاکھوں انسانوں کو کھانے کے لئے تیار ہے۔ آخر کرشن جی مہاراج ناکام واپس آئے اور آپ کی ناکامی ہی مہابھارت کی خطرناک جنگ کی شکل میں نمودار ہوئی جس نے اٹھارہ دنوں میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

آپ کی ہجرت بھگوان کرشن نے اپنی عمر میں ہجرت بھی کی جب دشمنوں نے آپ کو بار بار تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اور متواتر حملے کر کے آپ کو نقصان پہنچانے کے ناپاک ارادے کئے تب آپ نے ایشور کی خواہش کے مطابق ہجرت کی آپ جب متھرا سے رات کے وقت نکل کر جا رہے تھے تو دشمن آپ کے پیچھے بھاگا جا رہا تھا اور اونچی آواز سے کہہ رہا تھا۔ او ایشور اوتار کا دعوے کرنے والے کہاں جا رہا ہے اگر ہمت ہے تو آ مقابلہ پر۔ تاکہ میں تیری طاقت کو دیکھ لوں لیکن بھگوان کرشن اور بلرام اس کی ان بیہودہ باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور تیزی کے ساتھ دوارکا کی طرف چلے گئے جہاں جا کر انہوں نے سمندر کے کنارے دوارکا شہر آباد کیا اور پھر آپ نے پرماتما کے حکم کے ماتحت متھرا پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا۔ اور اپنے دشمنوں کو شکست دی۔ بھگوان کرشن جی کے جیون کے بہت سے پہلو ہیں کہ ان کا بیان کرنا بہت ہی ضروری ہے لیکن نہ تو وقت ہی اتنا ہے اور نہ ہی اخبار کے چند صفحات میں اتنی گنجائش ہے کہ اس کو شائع کر سکے اس لئے میں اسی پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اور پرماتما سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ ہے پرماتما آج مانو سماج ایک نہایت ہی بھیانک دور میں سے گذر رہی ہے۔ آج کرشن نے جس پوتر بھومی کو اپنے تپ و بل سے پاک کیا تھا۔ اور جیسا کہ انہوں نے پرماتما کے گیان کی مُرلی بجائی تھی آج وہ بھومی اور اس کے رہنے والے اشانت ہیں تو ان کو شانتی دے تاکہ بھگوان کی بھومی پھر تیرے گیان سے بھرپور ہو جائے۔ اور اس میں انسان سماج ایک دوسرے کے رفیق بن کر رہیں اور ایک ہو کر صبح و شام آپ کے گنوں کا گان کرتے ہوئے اونچی آواز سے کہیں کہ

بھگوان کرشن چندر کی جے

ٹرینڈ استادوں کی ضرورت

نظارت ہذا کو ٹرینڈ اساتذہ کی ضرورت ہے قبل ازیں بذریعہ اخبار بدر اعلان کروایا گیا تھا لیکن تاحال کسی درخواست نہیں آئی خواہشمند احباب درخواستیں مع سرٹیفیکیٹس اور تصدیق مقامی پریذیڈنٹ ارسال کریں۔

ناظر تعلیم و تربیت قادیان

پنجاب گورنمنٹ کے رسالہ جات

مورخہ ۲۵ رجون ۱۹۵۲ء کو مشرقی پنجاب اسمبلی میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ صاحب حکومت مشرقی پنجاب نے بتایا کہ گورنمنٹ کی طرف سے تین موقت الشیوع رسالے شائع کئے جاتے ہیں جن کے نام "ہمارا پنجاب" (انگریزی) "پردیپ" (ہندی) اور "ویر بھومی" (پنجابی) ہیں سنہ ۵۲-۱۹۵۱ء میں ان تینوں پر اخراجات کا کل اندازہ مبلغ -/۱۸۷۳۴ روپیہ ہے۔ لیکن اس خرچ کے مقابل پر کل آمدنی مبلغ -/۶۱۰۰ روپیہ ہے۔ گویا ان تینوں رسالہ جات پر سالانہ مبلغ بارہ ہزار روپیہ سے زائد نقصان ہُوا۔

افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ حکومت کے اکثر محکمہ جات میں اردو زبان میں ہی کام ہو رہا ہے اور صوبہ بھر میں اکثر اخبارات و رسالہ جات بھی اردو زبان میں نکلتے ہیں۔ حکومت نے اپنے انتظام کے ماتحت کسی اردو اخبار یا رسالہ کو جاری اور شائع نہیں کیا۔ اور ان زبانوں کی ترویج اور اشاعت میں حصہ لے رہی ہے۔ جو درست اشاعت اور پراپیگنڈا کا مؤثر ذریعہ نہیں بن سکتیں۔

اس نمایاں خسارہ کی وجہ بھی یہ ہے کہ انگریزی۔ ہندی اور پنجابی زبان کے اخبارات اور رسائل ابھی تک پنجاب کے عوام میں اس حد تک مقبول نہیں ہوئے۔ جو مقبولیت اردو زبان کو حاصل ہے۔

چونکہ مشرقی پنجاب ایک بارڈر کا صوبہ ہے اور اس کے ساتھ کے علاقہ میں یعنی مغربی پنجاب میں اردو زبان رائج ہے اور ترقی کر رہی ہے اس لئے حکومت کو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے کہ کیا وہ اردو زبان کو صوبہ سے کلی ختم کر کے اپنے ہمسایہ صوبہ کے ساتھ مراسم قائم رکھ سکتی ہے۔ علاوہ سرکاری افسران کے دونوں ہمسایہ صوبوں کے عوام کو بھی تجارتی اور کاروباری وغیرہ امور میں آپس میں میل ملاقات کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ پس ایک ایسی زبان کو صوبہ سے ختم کرنا جو اپنی لسانی صلاحیتوں اور خوبیوں کے علاوہ دونوں صوبوں کے درمیان اظہار خیال کا مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے کہاں تک درست اور مناسب ہے۔ امید ہے ہماری سرکار اس پر سنجیدگی سے غور کرے گی۔

پراونشل امراء و صدر صاحبان مقامی

فوری توجہ کریں!

قبل ازیں نظارت ہذا کی طرف سے جملہ جماعتوں کو رپورٹ فارم تعلیم و تربیت بھجوا کر لکھا گیا تھا کہ وہ باقاعدہ ماہوار رپورٹ تعلیم و تربیت ارسال کیا کریں۔ اور پھر بار بار بذریعہ اخبار یہ اعلان کروا کر یاد دہانی بھی کرائی جاتی رہی ہے۔ لیکن افسوس کہ جماعتوں نے اس طرف ابھی تک خاص توجہ نہیں دی ماہ مئی میں بہت کم جماعتوں کی طرف سے رپورٹیں موصول ہوئی ہیں۔ نظارت جملہ جماعتوں کے حالات سے رپورٹ کے بغیر واقف نہیں رہ سکتی اور نہ بروقت کبھی کوئی تربیتی یا اصلاحی قدم اُٹھا سکتی ہے۔ اسلئے مہربانی کر کے جملہ پراونشل امراء اور صدر صاحبان مقامی فوری طور پر توجہ کریں۔ اور سکرٹریان تعلیم کو تاکید فرما دیں کہ وہ باقاعدہ ماہوار رپورٹ ارسال کیا کریں۔ جس جماعت کو ابھی تک رپورٹ فارم نہیں ملے وہ جلد نظارت ہذا کو اطلاع دے کر فارم منگوا لے۔ اور جس جماعت میں سکرٹری تعلیم و تربیت مقرر نہ ہو اس کا انتخاب کر کے نظارت ہذا سے منظوری حاصل کریں۔

امتحان کتب سلسلہ

قبل ازیں بذریعہ اخبار بدر و بذریعہ خطوط جماعتوں کو اس امر کی اطلاع دی گئی تھی کہ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء کو کتاب نور القرآن حصہ دوم اور توضیح مرام کا امتحان ہوگا لہٰذا اس میں شامل ہونیوالے افراد کی فہرست ارسال کریں لیکن تاحال صرف ایک جماعت کی طرف سے ایسی فہرست موصول ہوئی ہے۔ جملہ عہدیداران اس طرف فوری توجہ فرما کر فہرست جلد از جلد ارسال کریں۔

(ناظر تعلیم و تربیت قادیان)

بین الاقوامی امن اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

:- از مکرم مولوی شریف احمد صاحب امینی مولوی فاضل حیدرآباد دکن :-

آج دنیا میں مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں اور ہر مذہب کے معتقدین اپنے مذہب کی سچائی اور حقانیت پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں۔ کہ بسا اوقات متعصب مذہبی لوگوں نے مذہبی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہوئے دُنیا کے خرمن امن کو برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کا نتیجہ آج یہ نکل رہا ہے۔ کہ لوگ مذہب سے بیزار ہو رہے ہیں۔ اور مذہب بھیجنے والے خدا کی ہستی کا ہی انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ مذہب ان اصولوں کا نام تھا۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان روحانی و اخلاقی اعتبار سے ترقی کر کے خدائی قرب کے مراتب عالیہ حاصل کر سکتا تھا۔ مگر ہائے افسوس ان لوگوں پر جنہوں نے ان پاک اصولوں کو پس پشت ڈالکر ایک طرف تو دُنیا کے امن کو برباد کیا۔ اور دوسری طرف مذہب کو بدنام کر کے لوگوں کے دلوں میں اس پاک تعلیم سے تنافر دلبُعد پیدا کر دیا۔ اسلام جو ایک زندہ اور عالمگیر مذہب ہے۔ اس نے مذہبی دُنیا میں امن و شانتی قائم رکھنے کے لئے ایک بین الاقوامی اصول بیان فرما دیا تھا۔ جس کو متعصب مسلمان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے سمجھ نہ سکے۔ اور اس تعصب اور تنگ نظری کی وجہ سے ایسے افعال کے مرتکب ہوئے۔ جو اسلامی رواداری کے اصولوں کے صریح خلاف تھے۔ اور ان کے اعمال اسلام کی پاکیزہ اور امن پسندانہ تعلیم پر بدنما داغ ثابت ہوئے۔ حالانکہ اسلام کا نام ہی امن و صلح کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور ایک مسلم کی یہ تعریف کی گئی ہے "المسلم من سلم المسلمون من یدہٖ ولسانہٖ" کہ حقیقی مسلمان وہی ہے جو اپنے ہاتھ اور زبان کے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھے۔ یعنی اس کے اقوال و اعمال کسی دلآزاری کا باعث نہ ہوں۔ اسلام وہ شاندار مذہب ہے۔ جس نے ان سنہری الفاظ میں مذہبی آزادی عطا فرمائی ہے۔ کہ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" "من شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر" کہ مذہبی معاملات میں کسی پر جبر و اکراہ کی اجازت نہیں۔ ہدایت و صداقت کی راہیں ممتاز ہیں۔ جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر کرے۔ مگر زبردستی کسی پر ایمان ٹھونسا نہیں اور حقیقت بھی یہ ہے۔ کہ ہم جبر سے کسی کو منافق تو بنا سکتے ہیں۔ مگر مومن نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ اور دل پر کسی کے جبر و اکراہ کا اثر نہیں ہو سکتا۔ پس متعصب اور ناسمجھ مسلمانوں نے اس پُر حکمت نظریہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مسئلہ "جہاد" کو دُنیا کے سامنے غلط رنگ میں پیش کر کے اسلام کو بدنام کیا۔ جس کی وجہ سے غیر مسلم احباب کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ شاید اسلام "جبر و تشدد کا مذہب ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں صحیح اسلامی اصولوں کو پھر تازہ اور قائم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو مبعوث فرمایا۔ تاکہ اسلام کے روشن اور حسین چہرہ سے یہ بدنما داغ دُھل کئے جائیں۔ چنانچہ آپؑ نے زندگی بھر اسلامی اصولوں کی حکمت کو بیان فرمایا اور اس امر پر خاص طور پر زور دیا۔ کہ اسلام اپنی پاکیزہ تعلیم کے اعتبار سے ایک امن و صلح کا مذہب ہے۔ وہ کسی پر جبر و تشدد کا قائل نہیں۔ ہاں بعض مخصوص حالات میں مدافعت کی اجازت دیتا ہے۔ گو ابتداء میں متعصب مسلمانوں نے آپؑ کے اس بیان سے اتفاق نہ کیا اور آپؑ کی انتہائی مخالفت کی۔ مگر بالآخر زمانہ کے حالات نے مجبور کر دیا۔ کہ وہ قرآنی تعلیم کو اسی رنگ میں تسلیم کریں۔ جس رنگ میں اس زمانہ کے مامور "امن کے شہزادے" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے۔

آپ نے قرآن مجید کی روشنی میں اس امر کو بیان فرمایا۔ کہ خدا تعالےٰ "رب العلمین" ہے۔ جس طرح اس نے تمام مخلوق کے لئے (خواہ وہ بر اعظموں میں بسنے والی ہو یا جزائر میں۔ عربی ہوں یا عجمی۔ کالے ہوں یا گورے۔ اور مشرقی ہوں یا مغربی) ان کی جسمانی ربوبیت کا انتظام کیا ہے۔ اسی طرح ضروری تھا۔ کہ وہ اپنی مخلوق کی روحانی ربوبیت کا بھی انتظام فرماتا۔ کیونکہ وہ سارے ملکوں اور قوموں کا ایک سا خدا ہے۔ اس لئے اس کی عالمگیر رحمت نے ہر قوم میں اپنے معلمین بھیجے ہیں۔ اور تمام فرقوں میں معلمین بھیجکر اس نے اپنی عالمگیر خدائی اور وسیع رحمت کا ثبوت دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ کہ ہر قوم میں خدا کی طرف سے رسول اور معلمین گذرے ہیں پس ہمارے لئے ضروری ہے۔ کہ جس طرح ہم اپنے مذہبی پیشواؤں اور نبیوں کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور معلمین کی عزت و تکریم کریں۔ اور ایک دوسرے کے مذہبی جذبات و احساسات کو مدنظر رکھیں۔ یہی وہ زرین اصول ہے۔ جو مذاہب عالم میں اتحاد پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور اس اصول نے اسلام کے امن پسندانہ نام کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ چنانچہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے ۱۸۹۷ء میں بیان فرمایا۔ کہ "یہ اصول نہایت پیارا۔ اور امن بخش اور صلحکاری کی بنیاد ڈالنے اور اخلاقی حالتوں کو مدد دینے والا ہے۔ کہ ہم ان تمام نبیوں کو سچا سمجھ لیں جو دُنیا میں آئے۔ خواہ وہ ہند میں ظاہر ہوئے۔ یا فارس میں چین میں یا کسی اور ملک میں۔ خدا نے کروڑہا دلوں میں ان کی عزت و عظمت بٹھا دی۔ اور ان کے مذہب کی جڑ قائم کر دی۔ اور کئی صدیوں تک وہ مذہب چلا آیا یہی اصول ہے۔ جو قرآن نے ہمیں سکھایا اس اصول کے لحاظ سے ہم ہر ایک مذہب کے پیشوا کو جن کی سوانح اس تعریف کے نیچے آ گئی ہیں۔ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ گو وہ ہندوؤں کے مذہب کے پیشوا ہوں یا فارسیوں کے مذہب کے یا چینیوں کے مذہب کے یا یہودیوں کے مذہب کے۔ یا عیسائیوں کے مذہب کے (تحفہ قیصریہ ص۶)

یہی ایک ایسا مضبوط اور محکم اصول ہے۔ جس پر کاربند رہ کر بین الاقوامی امن قائم ہو سکتا ہے۔ خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی جماعت ہے۔ جو اس اصول کی پابندی کرتی ہے۔ اور ہر مذہبی پیشوا کی عزت و تکریم کرتی ہے۔ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کے جملہ نبیوں اور پیغمبروں۔ پارسیوں کے پیشوا زرتشت۔ چینیوں کے کنفیوشس۔ ہندوؤں کے شری کرشن جی مہاراج اور شری رام چندر جی مہاراج اور مہاتما بدھ کو مذہبی پیشوا مانتے اور ان کی ایسی ہی عزت و احترام کرتے ہیں جیسے اپنے نبیوں اور رسولوں کی۔ یہ سب معلمین اپنے اپنے زمانہ میں خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے خدائی احکام کو دُنیا تک پہنچایا۔ اور اپنی زندگیوں کا نیک عملی نمونہ پیش کر کے روحانی انقلاب پیدا کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان کردہ اصول کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جماعت احمدیہ کے موجودہ خلیفہ و امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تقریباً چودہ سال قبل جماعت کو ہدایت فرمائی۔ کہ وہ سال میں ایک دن مقرر کر کے ایسے جلسے منعقد کریں۔ جن میں ان بزرگان و معلمین کی سیرت و سوانح بیان کئے جائیں۔ تاکہ جب لوگوں کے سامنے ان بزرگان کی پاکیزہ زندگی کے روح افزا واقعات بیان کئے جائیں۔ تو لوگ اپنی زندگیوں کو بھی ان کے طریق پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اور باہمی محبت و پیار۔ اور امن و شانتی کی فضا پیدا ہو۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جماعت احمدیہ جو ایک بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر ملک اور ہر علاقہ میں یہ جلسے منعقد کر کے پیشوایان مذاہب کی سیرۃ و سوانح کو بیان کرتی ہے۔ ہمارا یہ اقدام کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ قرآنی تعلیم کی اتباع ہے۔ اور خدا کے فضل سے اس کے نیک نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ اتحاد مذاہب کی فضا دن بدن سازگار ہو رہی ہے اور بین الاقوامی امن کی بنیادیں استوار ہو رہی ہیں اور امن کی تاریخ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ایک زرین کارنامہ ہے۔ خدا کرے کہ دُنیا کے افراد میں رواداری۔ وسیع حوصلگی۔ وسعت نظر اور قوت برداشت کی صفات پیدا ہوں۔ اور سب ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کا احترام کرنے والے ہوں تاکہ دُنیا امن و چین کا سانس لے سکے۔

ایک سادھو سے دلچسپ مکالمہ بقیہ صفحہ نمبر ۲

ہیں اور دنیا کی مخالفتوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور جس قدر دشمن ستاتا اور دکھ دیتا ہے وہ اتنا ہی خدا تعالیٰ کی ہستی اور اسکی یاد میں مگن ہو جاتے ہیں مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ ہر زمانہ میں اپنے پیاروں کو وقتاً فوقتاً اپنی تجلیات ظاہر فرماتا رہا ان سے ہمکلام ہوتا رہا ان کی باتوں کا جواب دیتا رہا ان کو معارف اور تسکین دیتا رہا انکی دعائیں قبول کرتا رہا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ وہ کرشن جی بولتا تھا وہ رام چندر جی سے باتیں کرتا تھا وہ گورو نانک جی مہاراج سے ہمکلام ہوتا رہا اور وہ اب بھی بولتا ہے اور اپنے بندوں کی باتوں کا جواب دیتا رہتا ہے اس زمانہ میں خاص طور پر حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہمکلام ہوا۔ اور انکو ہدایت کا سامان دیکر دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا کیا ہو

اسپر اس سکھ دوست نے کہا کہ یہ بات درست ہے اور میں اسے مانتا ہوں مگر کیا کریں دنیا کے دھندے کسی دم چین نہیں لینے دیتے ورنہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ سو فیصدی صحیح ہے اوپر چلتے ہوئے غالباً سعدی علیہ الرحمۃ کے بعض فارسی کے اشعار پڑھ کر اسی گفتگو کو ختم کر دیا۔